کیلنڈر میں رکی زندگی

ابن عبداللہ

کیلنڈر میں رُکی زندگی

ابن عبداللہ

انتساب!!

بارش میں بھیگتی ہوئی

اس کہانی کے نام جو

محبت کی طرح ادھوری

رہ جاتی ہے۔

کہانیوں کی لسٹ

پیش لفظ

اس دن بارش میں بارش میں بھیگتی ہوئی مجھے ایک کہانی ملی جو چھتری لانا بھول گئی تھی۔

اس نے مجھے دیکھ کر نفرت سے منہ پھیر لیا تو مجھے حیرت ہوئی اور دکھ بھی کہ پہلی بار مجھے کسی کہانی نے نفرت سے دیکھا تھا

میں نے اس سے پوچھا۔

مجھ سے نفرت کیوں کرتی ہو۔۔؟؟؟

میری آواز بارش کی بوندوں کے جل ترنگ میں ڈوب کر خلاء میں کہیں کھو گئی تو تو اس نے میری طرف دیکھا اور بولی۔

تم نے کہانی کی کتاب سے پہلے ناول لکھا اس لئے کہ تم بڑے لکھاری کہلا سکو اور لوگ کہیں۔

ارے ارے یہ تو پختہ قلم کار ہے جس نے ناول لکھا ہے۔

میں نے اس کی بات کو سنا اور اپنے دل کو ٹٹولا۔

شاید تم ٹھیک کہتی ہو پر سچ یہ ہے کہ مجھے کہانیاں لکھنا زیادہ پسند ہے اور میری خواہش تھی کہ میں کہانی ہی لکھوں پر میں لوگوں کی باتوں میں آکر ناول لکھ بیٹھا۔

اس نے اپنی گالوں پر بیٹھی بارش کی بوندوں کو جھٹکا اور کچھ دیر دور دیوار پر بھگتے ہوئے کبوتروں کی آنکھوں میں جھانکنے کے بعد بولی۔

تم شاید جانتے نہیں ہو کہ اکثر کہانیاں اب تم سے روٹھ چکی ہیں۔ کیا تم جانتے ہو روٹھی ہوئی کہانی کو کیسے منایا جاتا ہے۔۔؟؟

اس کی آواز بارش کی طرح ٹپ ٹپ کر کے میرے کانوں میں گری تھی۔

میں نہیں جانتا ہوں کہ کہانی کو کیسے منایا جاتا ہے پر مجھے یقین ہے کہانی کو منانا لوگوں کو منانے کی نسبت زیادہ آسان ہے کہ لوگوں میں انا ہوتی ہے اور کہانی میری نظر میں معصوم بچے کی طرح ہوتی ہے جسے ہم اس کی من پسند چوکلیٹ دے کر آسانی سے منا لیتے ہیں۔

ہو سکتا ہے میرا خیال غلط ہو۔ کیا تم مجھے بتا سکتی ہو کہ کہانی کو کیسے منایا جاتا ہے؟

مجھے تمہاری بات کا یقین ہے کہ اکثر کہانیاں مجھ سے روٹھی ہوئی ہیں اور میرے تخیل کا کمرہ آج کل کہانیوں کی آہٹوں کو

بھول چکا ہے اور مجھے لگتا ہے جیسے میں کہانی لکھنا بھول چکا ہوں اس لئے آج تمہیں بارش میں بھیگتے دیکھ کر تمہارے پاس چلا آیا کہ شاید تم مجھے بتا سکو ایسا کیوں ہے۔

کہانی نے میری بات کو سنا اور پھر زور سے ہنسی۔

مجھے لگا شاید وہ میرا مذاق اڑا رہی ہے۔ ہمارے درمیان کچھ دیر بارش مدھم سے سرگوشیاں کرتی رہی اور پھر وہ بولی۔

اصل میں جب تم نے ناول لکھنا شروع کیا تو تمہاری ساری کہانیاں لاوارثی کے اندھے کنوئیں میں جا گریں۔ تم نے ٹھیک کہا کہ کہانیوں کو منانا آسان ہے۔

پر اتنا بھی نہیں۔

کیا تم نے کبھی روٹھے ہوئے چاند کو منایا ہے۔؟؟؟

وہ پوچھ رہی تھی۔

میں نے کچھ دیر سوچا۔

نہیں مجھے منانے کا ہنر کبھی نہیں آیا ہے۔ سچ کہوں تو میں نے زندگی میں کبھی کسی کو منایا ہی نہیں ہے۔ کوشش کر کے بھی میں کبھی کسی کو نہیں منا پایا۔

کافی عرصہ پہلے ایک لفظ 'محبت' مجھ سے روٹھ گیا۔

اور میں لاکھ کوشش کر کے بھی اسے منا نہیں پایا تھا۔ اس کے بعد میں نے مان لیا کہ مجھ میں کسی کو بھی منانے کی صلاحیت نہیں ہے۔ جو انسان ایک لفظ نہیں منا سکتا ہے وہ کسی انسان یا کسی کہانی کو کیسے منا سکتا ہے۔۔؟؟

یقیناً تم سمجھ رہی ہو گی اور سوچ رہی ہو گی کہ میں عجیب انسان ہوں جسے کسی کو منانا نہیں آتا ہے اور تم یہ بھی سوچ رہی ہو گی کہ جب مجھے کسی کو منانا نہیں آتا ہے تو پھر میں اب تک زندہ کیسے ہوں۔۔؟؟

کہانی میری باتوں کو سنتی رہی اس کے چہرے پر بارش کی بوندیں تو تر سے گر رہی تھیں اور وہ دل ہی دل میں شاید میری حالت زار پر ہنس رہی تھی یا پھر افسوس کر رہی تھی۔

میں سمجھا نہیں تھا۔

شاید اس نے میری سوچ کے لمس کو محسوس کر لیا تھا تبھی وہ بولی۔

ایسا نہیں ہے کہ میں تم پر افسوس کر رہی ہوں گی یا ہنس رہی ہوں اصل میں تم بدقسمت انسان ہو۔ وہ لوگ جن کو منانا نہیں آتا ہے ساری زندگی کسی ادھوری کہانی کی طرح رشتوں کے کاٹھ کباڑ میں پڑے رہتے ہیں۔

ایسے انسان کو زندوں میں شمار نہیں کیا جاتا ہے۔

کہانی کی بات سن کر میرے اندر تلخی سے گھل گئی تھی۔

وہ کہہ رہی تھی۔

تمہاری اکثر کہانیاں تمہاری طرح ادھوری ہوتی ہیں اور تم سے ایک بڑی شکایت کہانیوں کو یہ بھی ہے کہ تم ان مکمل کبھی نہیں لکھتے ہو انہیں ادھورا چھوڑ دیتے ہو۔شاید تم چاہتے ہو جیسے تم ادھورے انسان ہو ویسے ہی تمہاری کہانیاں بھی ادھوری رہیں۔

میں نے جواب دیا۔

کیا ایک ادھورا انسان کبھی مکمل کہانی لکھ بھی سکتا ہے۔۔؟؟

جس انسان کی اپنی کہانی ادھوری ہو وہ کیسے کوئی مکمل انجام کے ساتھ کہانی لکھ سکتا ہے۔ادھورے انسان ادھوری کہانیاں ہی لکھتے ہیں۔

مجھے مجھ سے کافی زیادہ شکائیاتیں ہیں۔

سب کو ہی مجھ سے ہزار شکائتیں ہیں۔کسی کو شکایت ہے کہ میں سگرٹ بہت پیتا ہوں۔کسی کو؛لگتا ہے میں زندگی کو سنجیدہ نہیں لیتا ہوں اور کسی کو لگتا ہے میں عشق بہت کرتا ہوں۔کسی کو مجھ سے شکایت ہے کہ میں اداس رہتا ہوں تو کوئی کہتا ہے کہ میں اداسی اور درد ہی لکھتا ہوں۔

ایسے میں اگر کہانیوں کو بھی مجھ سے شکایت ہے تو اس میں نیا کیا ہے۔۔؟؟

بارش میں کہانی اور میں پوری طرح بھیگ چکے تھے۔میں نے کہانی کو غور سے دیکھا۔

وہ کافی زیادہ خوبصورت تھی۔

ویسے بھی مجھے بارش میں بھیگتی ہوئی کہانی بہت پسند تھی۔

جب میں کہانی پر غور کر رہا تھا تو کہانی بولی۔

تم سے ساری شکائتیں ٹھیک کرتے ہیں لوگ۔تم سگرٹ کی دھوئیں سے کہانیاں بناتے ہو اور وہ کہانیاں لوگوں کے دلوں کو راکھ کرتی ہیں۔

تم زندگی کو واقعی سنجیدہ نہیں لیتے ہو اگر زندگی کو سنجیدہ لیتے تو کبھی کہانیاں نہ لکھتے۔

جہاں تک عشق کی بات ہے تو انسان کو کبھی بھی فارغ نہیں رہنا چاہیئے ہے اور خود کو مشغول کرنے کے لئے عشق کرنا کوئی بری بات نہیں ہے۔

بارش کم ہو رہی تھی۔

اچھا تم بتائو کہ کہانیوں کو کیسے منایا جاتا ہے۔۔؟

میں نے وقت گزرنے کے احساس کے ساتھ پوچھا۔

جب تم کہانی کو مکمل لکھو گے تو کہانیاں تم سے خوش ہو کر مان جائیں گی۔ اس لئے آج کے بعد جب تم کوئی کہانی لکھو تو اسے انجام دینا۔

کہانی کی بات سن کر میں نے سر ہلایا اور بولا۔

اگر کہانی کا انجام حقیقت بن رہا ہو تو کیا پھر بھی میں کہانی کو مکمل لکھوں۔؟؟ حقیقت اور کہانی میں کیا جوڑ ہو گا۔

کہانی بولی۔

کوئی بھی کہانی بس کہانی نہیں ہوتی ہے۔۔ ہر کہانی، کہانی بننے سے پہلے حقیقت ہوتی ہے اور وقت ہر حقیقت کو کہانی بنا دیتا ہے ۔

اس لئے اس بات سے فرق نہیں پڑتا ہے کہ کہانی کا انجام حقیقت ہو۔

بارش الوادعی سانسیں لینے لگی تھی۔

میں نے اس کتاب کا انتساب تمہارے نام کیا ہے۔ اگر تم خوش ہو تو ایک کام کرنا دوسری کہانیوں کو میری طرف سے تم منانا ۔

کہانی میری بات کو سن کر مسکرائی اور بولی۔

ٹھیک ہے میں کوشش کروں گی تمہاری روٹھی ہوئی کہانیوں کو منا سکوں اور تم بھی کوشش کرنا کہ آج کے بعد کہانیوں کو روٹھنے نہ دو۔

اب میں چلتی ہوں بارش رک گئی ہے۔

کہانی نے الوادع کہا اور گلی کے نکڑ میں جا کر غائب ہو گئی۔

شاید وہ کچی آبادی کے کسی گھر میں موجود لڑکی کی آنکھوں میں رہتی تھی۔

جب کہانی چلی گئی اور بارش رُک گئی تو میں نے بھی واپس چلنا شروع کیا۔

درختوں سے بارش کی بوندیں گر رہی تھیں اور میرے اندر بھی کچھ کہانیاں قطرہ قطرہ کر کے جمع ہونے لگی تھیں جہنیں میں نے مکمل لکھنا تھا۔

میں نہیں جانتا ہوں کہ میں آنے والی کہانیاں مکمل لکھ پاؤں گا یا نہیں۔

پر آپ کے لئے میری یہ ادھوری کہانیاں ہیں۔

ہو سکے تو پڑھنے والوں میں سے کوئی میری کسی ادھوری کہانی کو مکمل کر مجھے بھیج دے۔ میری خواہش ہے کہ میں کبھی کسی مکمل کہانی کو دیکھوں جس میں کہیں بھی اداسی اور اپنے مکمل ہونے کا انتظار نہ ہو۔

کیا آپ کوئی کہانی مکمل کریں گے۔۔؟؟

آپ کے جواب اور اپنی ادھوری کہانیوں پر آپ کی مکمل رائے کا منتظر۔

ابن عبداللہ

لاہور۔ اتوار۔ 18 مارچ۔ 2018

03078625600

خواب زادی

یہ ایک خواب زادی کی کہانی ہے۔

داستان گو نے لمبا سانس کھینچا اور پھر سامنے بیٹھی لڑکی کی بھیدوں بھری آنکھوں میں جھانکا۔

اس نے بچپن سے ہی اپنی بڑی بڑی آنکھوں میں بہت سے چھوٹے چھوٹے خواب پال رکھے تھے۔

اس کی آنکھوں کے آسمان میں ڈھیر سارے خوابوں کے تارے جھلملاتے تھے۔

اس کی ماں بچپن میں ہی چل بسی تھی جب وہ سات سال کی تھی۔

جب اس کی ماں اس کی ننھی آنکھوں میں بجھی تو کچھ خواب ٹوٹ کر اس کی آنکھوں سے گرے تھے۔۔ جیسے آسمان میں کوئی تارا ٹوٹ کر روشنی پیدا کرتا ہوا فضا کے ایک نا ختم ہونے والے خلا میں گم ہو جائے۔

سامنے بیٹھی لڑکی کے چہرے پر دکھ کی ایک لہر نے جنم لیا اور وہ بولی۔

وہ کس کے ساتھ رہتی تھی کیا اس کے بہن بھائی تھے باپ تھا، داد، دادی یا اس کی نانو؟

داستان گو نے اس کی بات سن کر اپنے چہرے پر یوں ہاتھ پھیرا جیسے جھریوں میں سے بہتی کہانی کا سرا پکڑ رہا ہو۔

اس کی ماں اس کی زندگی کا واحد رشتہ تھی اس کا باپ اس کی پیدائش سے کچھ دن قبل ہی کسی امیر زادے کی گاڑی کی زد میں آ کر دم توڑ گیا تھا۔

یتیم پیدا ہونے کا دکھ بڑا گہرا ہوتا ہے میری بچی۔

بوڑھے کی سال خوردہ آنکھوں میں وقت کی دیمک کچھ گہری ہوئی تھی۔

اوہ۔۔۔۔ لڑکی اتنا ہی کہہ سکی۔ اس کی آنکھوں میں اس خواب زادی کا درد کچھ نمکین آنسو تشکیل دے رہا تھا۔

پھر اس نے کیا کیا؟

جب وہ بولی تو اس کی آواز میں اداسی کی گہری پرچھائیاں تھیں۔

زندگی جینے علاوہ کوئی دوسرا راستہ ہی نہیں دیتی ہے۔

وہ بھی ماں کی گودھ سے اتر کر دنیا کی گودھ میں سوار ہوئی۔

بوڑھے نے جیب سے مڑا تڑا سگرٹ نکالا اور منہ میں دیتے ہوئے مسالے پر آخر بچی ہوئی تیلی کو رگڑا۔

وہ ساری زندگی رشتوں کے احساس سے خالی رہی۔ یتیم خانے کی دیواروں کو دیکھتے ہوئے اور اپنے ساتھ رہنے والے بچوں کی آنکھوں میں یتیمی کے ہولناک سائیوں کو چلتے دیکھتے ہوئی وہ بھی سانس لیتی تھی۔

پر خالی سانس لینے کا نام زندگی بھی تو نہیں ہوتا۔۔ وہ اپنا کردار نبھا رہی تھی بس۔

بوڑھے نے دھواں اگلا۔

پھر کیا ہوا؟

لڑکی نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد پوچھا۔

پھر۔۔۔ داستان گو ایک لمحے کو رکا۔

پھر اس نے خواب دیکھنے چھوڑ دیئے۔

خواب پرندوں کی طرح اس کی آنکھوں کے گھونسلوں سے اڑ گئے۔

جب وہ پندرہ سال کی ہوئی تو اس کی آنکھوں کی بینائی چلی گئی اس کے خوابوں کی طرح۔۔

کہانی سننے والی لڑکی کی آنکھوں میں تاریکی پھیل گئی تھی۔

لوگوں نے تب جانا کہ اس کی دنیا میں اندھیرا ہو چکا ہے حالنکہ ایسا نہیں تھا وہ بہت پہلے ہی سے اپنی آنکھیں اور روشنی چھوڑ چکی تھی۔

اس کی زندگی کے شمع دان میں موم بہت کم تھی۔ جو تھی اس میں سے زیادہ جل چکی تھی۔

کیا اس کی زندگی میں کوئی ایسا نا تھا جو اس کی مدد کر سکتا؟

لڑکی نے پریشانی سے بوڑھے کو دیکھتے ہوئے سوال پوچھا۔

اس سماج میں مدد کی روایت اب پرانی ہو چکی اس کے آسمان کا سورج گہن لگا تھا۔

سب غرض رکھتے تھے۔

لوگوں کو اس کا عورت ہونا ہی نظر آتا تھا انسان ہونا نہیں۔

وہ اندھی ضرور تھی لیکن لوگوں کی آنکھیں پڑھ سکتی تھی۔ ان میں ہوس کی آگ جلتے ہوئے دیکھ لیتی تھی اور اس آگ کی تپش وہ بدن پر روز محسوس کرتی تھی۔

وہ ڈری ہوئی رہتی تھی۔ایک خوف اس کی بے نور آنکھوں میں دبے پاؤں چلتا رہتا تھا اس کی آہٹ سے وہ نیند میں بھی سینکڑوں بار ڈری۔

بوڑھے کی آواز میں جلے ہوئے خشک پھولوں کی خوشبو تھی۔

لڑکی نے اس خوشبو کو سونگھ لیا تھا تبھی اس کی آنکھوں میں تاسف کی تتلیاں اڑنے لگی تھیں۔

کیا وہ ہمیشہ ایسے ہی رہی؟

اس نے دکھ بھرے لہجے میں بوڑھے کو مخاطب کیا۔

اس کا گناہ نا قابل معافی تھا۔

وہ لڑکی یتیم تھی نابینا تھی۔

یہ معاشرا سب کچھ معاف کر سکتا ہے لیکن عورت کا عورت ہونا کبھی معاف نہیں کر سکتا۔

وہ لڑکی تنہائی کی گہری دھند میں کھڑی تھی جہاں وہ خود کو تو دیکھ سکتی تھی لیکن لوگوں کو نہیں۔

اس کی آنکھوں میں خوابوں کے مردہ بیج دبے ہوئے تھے جیسے پھولوں کے بیج زمین میں گرتے ہیں اور پھر بہار کے موسم میں اسی جگہ سے اگتے ہیں۔

لیکن اس کی آنکھیں بنجر ہو چکی تھیں۔۔وہ احساس کی دھوپ جس تلے خواب نمو پاتے ہیں پھلتے پھولتے ہیں کبھی نکلی ہی نہیں۔

اس کی آنکھیں اس خط کی طرح تھیں جس میں کسی کی موت کی خبر ارسال کی گئی ہو۔بھاری سی بوجھل سی۔

اس کی روح زخموں سے چور تھی لیکن شہر کے مسیحا روح سے نہیں جسم سے سروکار رکھتے تھے۔

اس شہر میں کوئی بھی روح کے زخم نہیں سیتا ہے۔

بوڑھے نے بینچ سے ٹیک لگائی اور پارک میں کھیلتے بچوں کو دیکھنے لگا۔

کیا اسے محبت ہوئی تھی۔کیا اس نے کسی پر اعتبار کیا تھا؟

لڑکی نے بوڑھے کو خاموش ہوتے دیکھ کر پوچھا۔

ہاں!!بوڑھے سیدھا ہوا اور اس کی چہرے پر مسکراہٹ جیسی کیفیت پیدا ہوئی۔

کس سے؟

لڑکی نے بے چینی سے پہلو بدلا اور اشتیاق بھری نظروں سے داستان گو کو دیکھنے لگی۔

دس سال کی عمر میں اس نے گلی سے رنگ برنگے چوزے خریدے تھے ان میں سے گلابی رنگ کا تھا سب سے تیز طرار، جب وہ چلتی تو سب سے پہلے وہی اس کی پیچھے بھاگ کر آتا تھا۔ اس لڑکی نے بس اسی ننھے سے چوزے پر اعتبار کیا تھا اور وہی اس کی پہلی محبت تھا۔

وہ اس سے بہت ساری باتیں کرتی تھی اور وہ اس کی باتیں سنتا تھا۔

کم از کم اس لڑکی کا تو یہی ماننا تھا

جب وہ اس اداسی بھری باتیں کرتی تھی وہ چوزہ اس کی ہتھیلی پر آہستہ آہستہ چونچ مارتا تھا جب وہ ایسے کرتا تو اسے لگتا وہ اسے تسلی دے رہا ہے تھپک رہا ہے۔

وہ خواب زادی نہیں جانتی تھی کہ ان چوزوں کا رنگ وقت کے ساتھ بدلتا ہے۔

اور وہ یہ بھی نہیں جانتی تھی کہ محبتوں کی زندگی گلی میں بکنے والے رنگ برنگ، چوزوں کی طرح بہت کم ہوتی ہے۔

ایک روز صبح جب وہ سو کر اٹھی تو وہ چوزہ بیمار تھا۔ اور شام تک ہزار کوششوں کے باوجود وہ اسے نہ بچا سکی تھی۔

وہ پورا مہینہ روتی رہی تھی۔

اس کا دوست اور غم خوار جو نا رہا تھا۔

یتیم کے خانے کے باغ میں اس چوزے کو دفناتے ہوئے اس لگا جیسے وہ اپنی وہ ساری باتیں وہاں دبا رہی جو وہ اس سے کہنا چاہتی تھی جو اب وہ کسی سے نا کہہ پائے گی۔

کہانی سننے والی لڑکی کی آنکھوں میں ان کہی باتوں کی نمی ابھری تھی۔

تو وہ اب وہ لڑکی کہاں ہے۔؟

شاید وہ مزید کہانی کا درد برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

وہ لڑکی بیس سال کی عمر میں اس وقت مر گئی جب شہر کے لوگوں اندھے ہونے لگے اور ان کی آنکھوں میں شیطان کی آنکھیں اگ آئیں ان کے اندر برائی اور ہوس کی امر بیل پھیل گئی۔

تب اس لڑکی نے خدا سے دعا مانگی کہ وہ اس کی آبرو کی رکشا کرے اور اس کی تاریک زندگی میں اور کسی گہری تاریکی کا اضافہ نا کرے۔

خدا نے اس کی فریاد کو سن لیا اور اسے اپنے جہاں کے لئے چنا۔

داستان گو نے آنکھیں بند کر لیں اور پھر جیسے چشم تصور میں اس لڑکی کو دیکھتے ہوئے بولا۔

اب وہ جنت کے بالا خانوں میں ٹہلتی ہے اس کے باغوں میں تتلی کی اڑتی ہے۔اس کی آنکھوں میں نور کی روشنیاں ہیں اور اس کے خواب تعبیریں پیدا کرتے ہیں۔

بوڑھے نے آنکھیں کھولیں اور سامنے بیٹھی لڑکی کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے دوبارہ بولا۔

ہر بڑی مصیبت کے ساتھ بڑاانعام نازل کیا جاتا ہے، ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔

ہر تاریکی کے بعد روشنی ہے۔

خدا ہمیں کبھی بہت کچھ چھین کر آزماتا ہے تو کبھی بہت کچھ دے کر۔

اور ہم عنقریب آپ کو وہ کچھ نوازیں گیں کے آپ خوش ہو جائیں گے

یہ وعدہ ہے۔

یہ شہر آج تک نہیں سمجھا کہ وہ خواب زادی اچانک مر کیسے گئی۔وہ اس کی بیماری کی تلاش میں پریشان ہوتے رہے قیاس آرئیاں کرتے رہے۔

وہ نہیں جانتے تھے کہ بیماری وہ خود ہیں جس کی بدولت وہ اور اس جیسے سینکڑوں لوگ خاموشی سے مر جاتے ہیں۔

پر کوئی مانتا ہی نہیں کہ انہیں علاج کی ضرورت ہے۔

بوڑھے داستان گو مسکراتے ہوئے کہانی سمیٹ لی اور سامنے بیٹھی لڑکی کو دیکھنے لگا جس کے چہرے پر خواب زادی کے جنت میں ہونے کی خبر سن کر اطمینان پھیل رہا تھا۔

ہر سخت راستے کے اختتام پر بہت راحت بھری منزل ملتی ہے۔

اس نے دل میں کہا اور واپس کھیلتے بچوں کو دیکھنے لگا جہنوں نے کافی لمبا سفر طے کرنا تھا۔۔۔!!

☆☆☆☆☆

خواب زادی(۲)

شہر اس کی کھڑکی کے نیچے کسی شوریدہ تیز ندی کی طرح بہتا تھا۔

گاڑیاں، پیدل چلتے لوگ، آوارہ کتے، بھاگتی ہوئی بلیلاں، پڑوسیوں کی مرغیاں، اور نجانے کیا کچھ دن بھر اس کی آنکھوں میں پھرتا تھا۔

جب وہ سڑک پر جھانکتی تو سارے خواب اس کی آنکھوں کے قید خانوں سے کود کر باہر آنے کی کوشش کرتے اور اس کی گھنی زلفیں کھڑکی کے پٹوں سے ٹکرا کر اس کے کاندھے سے لگ کر رونے لگتیں۔

ایسے میں وہ اس ملنے اکثر جاتا رہتا تھا۔

لکڑی کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اس کے قدموں کی آہٹوں میں انتظار بھری سرگوشیاں اسے سنائی دیتیں تھیں۔

چرر چرر۔۔۔لکڑی چیخنے اور خواب ٹوٹنے کی آوازیں بھی کتنی ملتی تھیں۔

وہ اس کے پاس آبیٹھتا تو وہ اپنی سیاہ بڑی بڑی آنکھوں میں اسے بیتے ہوئے کسی خوبصورت لمحے کی طرح capture کرتی اور پھر کرسی کی ہتھوں کو یوں مضبوطی سے پکڑتی جیسے کوئی ڈرا ہوا بچا ہو۔۔۔جسے ماں سکول میں چھوڑنے پہلے دن آئی ہو اور وہ اس کے دامن کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہو۔۔۔

اداس ہو۔۔۔؟

وہ پوچھتا۔۔۔اور جواب میں وہ مسکراتی۔۔۔ایک ایسی مسکراہٹ جس کے پیچھے غموں کے سینکڑوں آنسو ہوں۔

اداس بھی اور تنہا بھی۔۔۔وہ ہولے سے کہتی اور دور مسجد کے مینارے پر بیٹھے کبوتروں کو دیکھنے لگتی۔

اسیر پرندے آخر کب تک آزاد فضاؤں کے تعاقب میں نظریں دوڑا سکتے ہیں۔

وہ دل میں اس کا غم محسوس کرتا۔۔۔اس کی شیشم کے درخت جیسی گھنی اداسی بھری چھاؤں میں بلا کی تپش محسوس ہوتی تھی۔۔۔چھاؤں کا فلسفہ الٹ ہو جاتا اور وہ اس کی کھوئی ہوئی مسکراہٹ لبوں پر چپکا کر کہتا۔

اداس نہ رہا کرو۔۔۔

وہ واپس اسے یوں دیکھتی جیسے اس کے آئینے میں کسی اور کا چہرہ ابھرا ہو۔

اکیلے پن کا عذاب تم جانتے ہو لکھاری بابو۔۔۔

وہ دھیمے سے بولتی۔

کچھ دیر ان دونوں کے بیچ خاموشی بے تکلفی سے باتیں کرتی۔

تم پوچھتے ہو تنہائی کیا ہے..؟
آؤ۔۔۔میں تم کو بتاؤں
زندان میں قید شخص
زندان میں مر گیا
اسیری کسے کہتے ہو
وہ زندہ میں دفن ہے
آزادی جہاں نہیں
اک قید مسلسل
اس کی تربت پر
جب کبھی آتی ہے
فقط اسیری ہی آتی ہے۔

تمہاری نظم مجھے پسند۔
وہ ہمیشہ کی طرح اسے اس کی نظم سناتی۔
وہ مسکراتا۔
تتلیوں کے پیچھے بھاگنا کیسا لگتا ہے۔۔؟
باپ کے لئے دوڑ کر دروازہ کھولنا اور گلاس بھر کر پانی لانا کیسا لگتا ہے۔۔۔؟
وہ سوال پوچھتی۔۔
مسز خورشید چائے کا کپ لا کر اس کے سامنے رکھتیں۔۔
وہ شکریہ کہتا۔۔۔اور وہ
اپنی ماں کو دیکھتی۔۔

یہ میری وجہ سے قید ہیں۔

اس کی آواز میں امیدوں کی نمی ہوتی۔۔۔وہ چائے پر سے اٹھتی بھاپ کو دیکھنے لگتا۔۔۔یہ ارمانوں کا دھواں ہے جلتے ہوئے سلگتے آنچ دیتے۔۔

وہ دلاسہ دینے کے لئے الفاظ کھوجتا۔۔۔پر وہ لفظوں کا جادوگر تسلی کے الفاظ ڈھونڈنے میں ہمیشہ ناکام ہو جاتا۔۔۔

بارشوں میں صحن کے کچے آنگن میں کیچڑ سے لت پت جوتوں اور گڑھوں میں جمع ہوئے پانیوں میں زور سے پاؤں مارنا کیسا ہے؟۔

وہ بولتی اور وہ سنتا۔۔

ٹیرس پر ٹہلتے ہوئے کوئی شاعری کی کتاب پڑھنا، یا چاندنی میں نہائی ہوئی راتوں میں چھت پر اکیلے کھڑے ہو کر ہوا کے کومل جھونکوں کو محسوس کرنا کیسا ہے۔۔۔؟۔

وہ اس کا ہاتھ تھام لیتا۔۔سرد بے جان ہاتھ۔۔

لوگوں کی آنکھیں اندھی ہوتی ہیں۔۔۔میرے تو خواب ہی اندھے ہو گئے۔

کیسا لگتا ہے بینائی سے محروم خواب دیکھنا۔۔۔؟

وہ پھر پوچھتی۔۔۔وہ ٹیبل کی سطح پر قلم کی نوک مارتا اور کہتا۔

بہت ہی برا۔۔۔روشنی کے اندر کی تاریکی کا غم ہر کوئی نہیں جانتا۔

وہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگتی۔۔۔اداس مرجھائی ہوئے پھولوں جیسی خشک آنکھوں کا غم بھی کوئی نہیں جانتا۔۔۔وہ دل میں سوچتا۔۔

سورج کے ساتھ ساتھ چلنے کی خواہش میں جب اچانک تاریکی آپ کو آلیتی ہے اور مہیب سناٹا چھا جاتا تو روح ویران ہو جاتی۔

رنگوں سے محبت کرنے والے جب سیاہ رنگ میں ملبوس منظر دیکھتے تو ان کے اندر جینے کی خواہش مرنے لگتی۔۔

سنا ہے شہر میں میلا لگا ہوا ہے۔۔۔؟

وہ حسرت بھرے لہجے میں پوچھتی۔۔۔میلا۔۔

وہ دل ہی دل میں ہنستا۔

میلے مجھے پسند نہیں۔ان میں اس قدر ہجوم اور شور ہوتا کہ لوگ بچھڑ جاتے اور ان کی آہوں کی صدا اکثر گلیوں میں بھٹکتی

رہتی۔

میرے سکول کے پاس ایک بڑا سا پارک تھا۔

وہاں جھولے پھول اور رنگ برنگی تتلیاں ہوا کرتی تھیں۔۔۔اسی راستے میں ایک کھلونوں کی دوکان تھی۔۔وہاں شیشے کے شوکیس میں ایک گڑیا مجھے بہت پسند تھی۔۔۔مجھے اکثر لگتا کہ وہ روز میرا انتظار کرتی ہے۔۔

پتا نہیں وہ اب بھی میرا انتظار کرتی ہو گی یا نہیں۔۔؟

وہ سوچتی تو ہو گی کہ اسے روز دور سے دیکھنے والی لڑکی کہاں گئی۔؟

ہو سکتا ہے اس نے اپنے ساتھ رکھے دوسروں کھلونوں سے میرے بارے میں کچھ باتیں کی ہوں۔

اگر وہ دوکان وہیں ہے اور وہ گڑیا بھی تو اسے تم ملنا اور کہنا۔

وہ لڑکی اب اس کی طرح ایک ان دیکھے شیشے کی باکس میں قید ہے اور اس کی طرح سڑک پر چلتے لوگوں کو دیکھتے ہوئے سوچتی ہے اس کا طلبگار کون ہو گا؟

وہ اس کی ایسی باتوں کا جواب کیا دیتا؟

بس خاموشی سے سنتا رہتا اور پھر خاموشی سے اسے اگلی ملاقات کا کہہ کر لوٹ آتا۔۔جب وہ لکڑی کی سیڑھیاں واپس اترتا تو وہ اس کی دور جاتی آہٹوں میں ماضی کے خوشگوار لمحوں کی چاپ سنتی اور پھر کچھ گرم آنسو کی انکھوں کے گوشوں کو نم کر دیتے۔

وہ اپنی وہیل چیئر گھماتی اور واپس نیچے بہتے شہر کو دیکھنے لگتی۔۔

شہر اپنے آپ مگن بہتا رہتا۔۔گھڑی کی سوئیاں ہندسوں کو گنتی رہتیں۔۔۔اور وہ بیتے کل کی سرگوشیوں کو سنتی رہتی اشک بہاتی رہتی۔۔۔!!

☆☆☆☆☆

آنکھیں خواب تھوکتی ہیں

بوڑھے نے سامنے بیٹھی لڑکیوں کے گروپ پر نظر ڈالی اور پھر دور افق پر تیرتے ہوئے بادلوں میں سے جھانکتی کہانی کو دیکھ کر بولا۔

وہ بھی تم جیسی ہی تھی گھر کی کھڑکی میں کھڑی وہ نیچے لوگوں کو بہتے ہوئے دیکھتی رہتی تھی۔اپنی گڑیا کے بال سنوارتی اور کبھی ہتھیلی میں کچھ لکھنے لگتی۔

اس کے کلائیوں پر وقت کھنکتا تھا،جون کی تپتی دوپہروں میں بھی وہ خوابوں کی بارشوں میں بھیگتی رہتی تھی۔

جب کبھی وہ زیادہ بھیگ کر ٹھٹھرنے لگتی تو ایک ہاتھ کھڑکی میں سے باہر نکال کر سورج کو اپنی ہتھیلی میں قید کر لیتی تھی۔

بوڑھا اتنا بتا کر سانس لینے کو رکا اور سامنے بیٹھی لڑکیوں کے چہرے پر پھیلتا تجسس دیکھ کر پھر سے بولا۔

کبھی کبھی نہا کر وہ کھڑکی میں بال سکھانے کھڑی ہو جاتی تو ایسا لگتا جیسے سارا شہر اس کی گھنی سایہ دار زلفوں کی چھاؤں میں آ گیا ہو جب وہ سر کو جھٹکتی تو بالوں سے قطرے اڑتے ہوئے بادلوں میں چلے جاتے اور پھر شہر میں زور کا مینہ برستا۔

وہ بہت رنگین تھی قوس کے سارے رنگ اس کی آنکھوں سے ہو کر گزرتے تھے۔کبھی وہ دور پہاڑیوں پر اگر کچھ دیر نگاہیں ٹکاتی تو اس کی ابرؤں کی گولائیوں سے قوس قزاح پہاڑیوں پر پھیل جاتی تھی۔

پھر وہ ہوا جو نہیں ہونا چاہئے تھا۔

بوڑھے نے دور ہوٹل کی چھت پر دوڑتی بلی کو دیکھتے ہوئے کہا تو سامنے بیٹھی لڑکیوں نے بے چینی سے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر ان میں سے زرا تیز نظر آنی والی لڑکی بولی۔

اسے کیا ہوا پھر۔۔۔؟

بوڑھے نے بلی سے نظریں اٹھا کر سامنے بیٹھی لڑکیوں پر پھیلا دیں اور اپنی یاداشت کے بوسیدہ اوراق پلٹتے ہوئے جواباً بولا۔

پھر اس کے خوابوں پر بندھ باندھ دیا گیا اس کے خوابوں سے اس پانی جیسی بُو آنے لگی جس کا بہاؤ روک دیا گیا ہو اور وہ ایک

جگہ جمع ہو جائے۔

خواب بھی پانی جیسے ہوتے ہیں اس لئے تو اس کے خوابوں بھی جی الٹنے والی سرنڈ چھوڑنے لگے تھے۔

ایسا کیوں کیا گیا تھا۔۔؟

خاموش آنکھوں والی لڑکی نے افسردہ لہجے میں پوچھا تو بوڑھا اس کی آنکھوں میں چلتے خواب کے پیروں سے اٹھنے والی گرد کو دیکھتے ہوئے بولا۔

رشتے ناتے اور حق۔ ہمیشہ خوابوں سے۔ جیت جاتے ہیں اس نے اپنی گڑیا کی شادی کا سوچا تھا اور یہ بات اس کی گڑیا کو بری لگی۔ وہ اس گڑیا کی شادی اس لڑکے گڈے سے کرانا چاہتی تھی جس سے وہ محبت کرتی تھی اور گڑیا کو اس لڑکے کے گڈے سے بڑی شکایاتیں تھیں

گڑیا نے اسے کہا وہ اس کے ساتھ اچھا نہیں کر رہی ہے۔۔ گڑیا نے اس لڑکی بہت سمجھایا کہ وہ اس گڈے کو پسند نہیں کرتی ہے کیوں کہ وہ اس کی باتیں سنتا نہیں ہے اگر سنتا ہے تو سمجھتا نہیں ہے۔

پر اس لڑکی نے اس کی باتیں نہ مانی۔ شاید اس کے اندر کہیں یہ خیال چھپا بیٹھا تھا کہ اگر اس کی گڑیا کی شادی اس لڑکے ہو گئی تو اس کی شادی بھی اس لڑکے ہو جائے گی۔

بوڑھا رکا اور پھر سوچتے ہوئے بولا۔

پر مجھے لگتا اس لڑکی کی دل میں کہیں یہ بات تھی کہ اس کی شادی اس لڑکے سے کبھی نہیں ہو سکتی ہے اس لئے وہ محبت کی نشانی کی طور پر اس لڑکے کے گڈے سے اپنی گڑیا کی شادی کرنا چاہتی تھی۔

خیر جیسا بھی ہے۔ گڑیا کو اس کی بات پسند نہیں آئی اور اس نے آسمان کو دیکھا پھر کیا تھا جلد ہی

اس لڑکی کی شادی ہو گئی۔

شاید اس کی گڑیا نے اسے بد عادی تھی اور وہ کام کر گئی۔

وہ لڑکی جس کی بات چل رہی ابھی بہت سارے خواب دیکھنا چاہتی تھی وہ اپنے تصور کے کینوس پر بہت سارے انوکھے اور حسین خواب بنانا چاہتی تھی۔

پر خواب دیکھنے کی عمر میں اس کی شادی ہو گئی۔

پر شادی تو ہر لڑکی کی ہونی ہوتی ہے شادی سے خوابوں کو کیا تعلق؟

زرا سنجیدہ نظر آنے والی لڑکی نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔

بوڑھے نے یوں اسے دیکھا جیسے اس لڑکی کی سوچ بھری پیشانی کی لکیروں میں کہانی والی لڑکی۔کے ہاتھوں کی لکیریں جھانکنے لگی ہوں۔

پھر سر جھٹکتے ہوئے بولا۔

اس کی شادی ایک نفسیاتی سے ہوگئی جو دیکھنے میں سلجھا ہوا تھا پر پاگل تھا۔

وہ اسے مارتا تھا چیختا چلاتا گالیاں دیتا تھا ایسے میں وہ لڑکی گھڑی بنی مار کھاتی تھی اور گالیاں سنتی تھی۔

جب دیوار کے پاس گھڑی بن کر گرتی ہے تو ایسا لگتا ہے۔جیسے کسی نے مردہ خوابوں کو حقیقت کی چادر میں باندھ کر پھینک دیا ہو۔

کیا اب وہ لڑکی جب اکیلی ہوتی ہے تو کھڑکی میں نہیں کھڑی۔ہوتی ہے؟ یا اپنی ہتھیلی پر کچھ نہیں لکھتی؟

سامنے بیٹھی لڑکیوں میں سے کم عمر لڑکی بولی۔

اسے اس کہانی نے اداس کر دیا تھا تبھی اداسی کی چڑیاں اس کی آنکھوں میں چونچ مار رہی تھیں۔

بوڑھے نے ایک طویل سانس لی اور بولا۔

اب وہ لڑکی تنہائی میں اپنے ہاتھوں سے کچھ کھرچتی رہتی ہے اور اس کی آنکھوں خواب تھوکتی پھرتی ہیں۔

وہ کھڑکی جس سے وہ خواب دیکھتی تھی زنگ کھا کر بند ہو چکی ہے۔

اب یہاں پر۔کہانی ختم ہوتی ہے کیوں کے یہاں تک ہی اس لڑکی کی کہانی ہے۔یہاں سے آگے کہانی اس لئے نہیں ہے کہ یہاں اس موڑ پر آکر کہانی مر جاتی ہے اور یہاں سے آگے حقیقت شروع ہو جاتی ہے۔

بوڑھے نے کہانی ختم کی اور سامنے بیٹھی لڑکیاں اٹھ کر چلی گئیں۔

اور بوڑھا سوچنے لگا خواب دیکھنے سے خواب تھوکنے تک کا سفر ہم سب ہی کرتے ہیں بس کردار اور کہانی مختلف ہوتی ہے۔۔۔!

☆☆☆☆

پاگل آدمی

اسے اندازہ نہیں تھا کہ موت کی ٹرین کس وقت آئے گی وہ بوسیدہ ٹوٹے ہوئے بینچ پر پچھلے ایک گھنٹے سے بیٹھا اکتا چکا تھا۔

اسے حیرت ہو رہی تھی کہ اسٹیشن لوگوں سے یکسر خالی ہے۔جب سے وہ آیا تھا ابھی تک کوئی ایک مسافر بھی اسے دکھائی نہیں دیا تھا۔

اسٹیشن ماسٹر کا کمرے پر بھاری سا تالہ کسی غریب کے نصیب کی طرح زنگ کھائے اسے بتا رہا تھا کہ برسوں سے وہ کمرہ خالی ہے۔

پر اس نے کھڑکی سے جھانک کر اندر ضرور دیکھا تھا

جہاں میز گرد آلود تھی اور کچھ پرانے ٹریک ریکارڈز کی فائلیں میز کی کھردری سطح پر پڑی ہوئیں تھیں۔

ایک ٹوٹی ہوئی کرسی بھی تھی جس ایک بازو غائب تھا۔

دیوار پر ایک پرانا بلب بھی اسے نظر آیا جس پر مکھیوں نے گند پھلا رکھا تھا۔۔دیوار پر ایک پھٹا ہوا کلینڈر بھی تھا جس کی تاریخیں اور سال اسے انتہائی غور کرنے کے بعد بھی نظر نہیں آئیں تھیں ورنہ اسے اندازہ ہوتا کہ وہ کمرہ کب سے خال ہے یا کب زیر استعمال رہا ہے

کمرے کی چھت پر ایک پرانا پنکھا کسی لاش کی طرح لٹکا ہوا تھا۔۔کھڑکی کے ٹوٹے پٹ سے وہ اتنا ہی دیکھ پایا تھا۔

اندر کا ماحول نیم تاریک تھا۔کھڑکی کے ٹوٹے شگاف سے روشنی رینگ رینگ کر اندر جانے کی کوشش کرتے ہوئے ہانپ رہی تھی۔

عجیب کماش کے لوگ ہیں احساس ذمہ داری ان میں نام کی بھی نہیں۔

جمائی لیتے ہوئے وہ بڑبڑایا

اور اسٹیشن پر اس امید سے نظریں دوڑائیں کہ شاید کہیں ریل کا شیڈول لکھا ہوا ملے۔

پر اس کی نظریں اسٹیشن پر پھیلی تنہائی کی چادر میں الجھ کر واپس لوٹ آئیں۔

اچانک اس کی نظروں نے بینچ کے ساتھی فولڈ ہوئی پڑی اخبار کو دیکھا۔

شاید اس سے پہلے یہاں کوئی بیٹھا تھا اور جاتے وقت جلدی میں اپنی اخبار اٹھانا بھول گیا

اس نے سوچا اور ہاتھ بڑھا کر اخبار اٹھائی۔

چلو اچھا ہے کچھ وقت اخبار پڑھتے ہوئے گزر جائے گا۔

دل ہی دل میں کہتے ہوئے اس نے اخبار کھولی

گھر میں بھی وہ ناشتے سے پہلے گرما گرم چائے کے ساتھ اخبار کھاتا تھا۔۔

کھانا اس لئے کہا کہ اس کی بیوی ایسا کہتی تھی کہ وہ چائے کے ساتھ اخبار کھاتا ہے۔

بم بلاسٹ۔۔پنتیس لوگ شہید اور ڈیڑھ سو لوگ زخمی

پہلے ہی صفحے پر بڑی سرخی دیکھ کر اس نے منہ بنایا۔

کمبخت اچھی خبر نہیں دیتے کبھی۔

اس نے غصے سے ہونٹ بھینچے۔۔۔،

دوسری خبر

پانچ سالہ بچی اجتماعی زیادتی کے بعد قتل لاش کچرے دان سے ملی۔

وہ جھلا گیا

استغفار استغفار۔۔جانے لوگوں کو کیا ہو گیا ہے

کانوں کو ہاتھ لگائے وہ بڑبڑایا

اس کا جی خراب ہونے لگا تو اس نے صفحہ پلٹا۔

نوجوان نے نوکری نہ ملنے کی وجہ سے خودکشی کر لی۔

نیچے مزید معلومات اس سے پڑھیں نہیں گئیں اور اس نے جھلا کر اخبار بند کر دی

پتا نہیں ہمارے ہاں اچھی خبریں کیوں نہیں آتی ہیں اور جو آتی ہیں وہ اتنی چھپا کر لگائی جاتی ہیں جیسے کوئی پردے میں برتنے والی بات ہو۔

وہ سخت خفا تھا۔

کہی مرتبہ اخبار پڑھتے ہوئے اس کا دل کیا تھا کہ وہ اخبار کے ایڈیٹر. کو کال کرے اور پوچھے کہ بھائی کوئی اچھی خبر نہیں ملتی کیا۔

پر زندگی کی مصروفیات میں وہ اکثر کال کرنا بھول جاتا تھا۔

اس نے ایک بار پھر ارد گرد دیکھا۔۔

عجیب بات ہے کہ یہاں کوئی نہیں ہے۔۔ یہ اتنے مرنے والے کس راستے سے جاتے ہیں اس نے جیسے بینچ سے سوال کیا اور پھر پہلو بدلا کر خود ہی بولا

شاید وہ کسی اور راستے سے جاتے ہوں گے ورنہ یہاں رش ہوتا بہت۔

ٹریک پر نگاہیں جمائے ہوئے وہ کچھ دیر خاموش بیٹھا رہا

اور پھر جیسے اپنی ہی خاموشی سے تنگ کر بولا

اچھا ہی ہے مجھے بھیڑ بھاڑ پسند نہیں ہے لوگ زیادہ ہو جائیں تو لگتا ہے ان کے کاندھوں سے سر غائب ہو جاتے ہیں۔

اس نے دوبارہ اسٹیشن ماسٹر کے کمرے کی طرف دیکھا۔

کھڑکی کا شگاف دور سے کسی پرانے زخم کی طرح دکھائی دے رہا تھا جس سے روشنی خون کی طرح اندر گرے جا رہی تھی۔

پتا نہیں گاڑی کب آئے گی۔

اس نے کلائی پر بندھی گھڑی کو دیکھا۔

وقت تھا کہ گزرتا ہی نہیں تھا۔

اس نے دوبارہ اخبار اٹھائی اور پڑھنے لگا

بھائی نے جائداد کے لئے سگے بھائی کا خون کر دیا۔

بیوی نے آشنا کے ساتھ ملکر شوہر کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

امیر آدمی کی گاڑی نے سڑک پر بھیک مانگتے بچے کو کچل دیا اور عدالت نے اسے باعزت بری کر دیا۔

شیٹ شیٹ۔۔ وہ آنکھیں بند کر کے سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

اچانک ایک آواز سن کر وہ چونکا۔

ایک لڑکا سفید کوٹ میں ملبوس ایک آدمی سے پوچھ رہا تھا۔

ڈاکٹر صاحب یہ کب تک ٹھیک ہوں گے۔

اور سفید کوٹ والا کہہ رہا تھا

مسلسل تشدد بھری خبریں پڑھنے سے یہ مینٹلی طور پر ابنارمل ہو چکے ہیں اور انہیں اب کافی مہینے یہاں رکھنا ہو گا۔

اب وہ لڑکا اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھے اسے کہہ رہا تھا

بابا میں آپ کو دیکھنے آیا کروں گا۔

اور وہ خالی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے دیکھتے ہوئے سوچ رہا تھا

میں یہاں کیسے آ گیا ہوں۔۔!!

☆☆☆☆☆

تصویر میں زندہ محبت

وہ مجھے اس باغ میں پچھلے تین مہینے سے ایک ہی وقت میں دکھائی دیتا تھا۔ وہ روز میرے سامنے آتا اس بینچ پر بیٹھتا ارد گرد چلتے لوگوں اور موسم سے بے نیاز بڑھی ہوئی داڑھی بجھی ہوئی آنکھیں اور چہرے پر گھنا پھیلا ہوا انتظار۔

میری نئی نئی ہی اس شہر میں ٹرانسفر ہوئی تھی فلیٹ کے قریب اس پارک میں جب سے آرہا تھا وہ ادھر ہی تھا۔

میرے تجسس کا پیمانہ چھلکا اور تب میں اس کے پاس جا بیٹھا اور پوچھ لیا کہ وہ کس کا انتظار کرتا ہے تب اس نے بتایا کچھ مہینے پہلے اس نے ایک لڑکی کو چھوڑا ہے۔

اس کے لئے یہ کوئی نئی بات نہیں کسرتی جسم اونچی ناک اور ہلکی داڑھی میں وہ وجاہت کا نمونا تھا لڑکیاں اس کی زندگی میں آتی جاتی رہتی تھیں۔

میرے اصرار پر وہ کچھ دیر چپ رہا پھر بولا،

مجھے وہ لڑکی آرٹ کی نمائش میں ملی تھی اور ہمیشہ کی طرح میری مردانہ وجاہت اثر کر گئی ہم اس کے بعد کہی جگہ ملے دو مہینے لگاتار پھر میرا دل اکتا گیا جیسے اکتایا کرتا تھا۔

پر جس دن میرا دل اس سے اکتایا اور میں نے اسے چھوڑنے کا فیصلہ کیا اس سے اگلے دن اس نے ہم دنوں کی ایک تصویر بنائی تھی جس میں وہ کھڑی ہے اور میں اس کے سامنے جھکا ہوا اسے گلاب کا پھول دے رہا ہوں۔

اس تصویر کے متعلق اس نے بہت سی باتیں کی تھیں پر مجھے اب اس کی ایک ہی بات یاد ہے۔ اس نے کہا تھا۔

یہ تصویر ہماری محبت کی علامت ہے کہ جس میں ہماری محبت سانس لیتی ہے۔ میں نے یہ تصویر اس لئے بنائی ہے کہ عمر کا دیمک اگر ہمیں کھا جائے تو بھی ہم اس تصویر میں سلامت رہیں اور اگر وقت کی دھوپ ہماری محبت کے رنگ مدھم کر دے تو اس تصویر میں ہماری محبت کے رنگ ہمیشہ نکھرے رہیں۔ اس نے کچھ کیمیکلز کی مدد سے اس تصویر کو لمبی عمر دینے کا بندوبست کیا تھا۔

پر وہ نہیں جانتی تھی حقیقی زندگی میں محبت کی عمر ساون کی بارش کی طرح کم ہوتی ہے۔

اس نے وہ تصویر مجھے تحفے میں دی تھی اور کہا تھا۔

اسے ہمیشہ اپنے پاس رکھنا یہ ہماری محبت کی نشانی ہے۔

میں نے تب اس کی باتوں کو ہنسی میں اڑ دیا تھا کہ ان ہی دنوں

میں نے یونیورسٹی کی سائنس ٹیچر کو دیکھا تھا جو نئی نئی آئی تھی، اچھلتی کودتی پہاڑی ندی جیسی میرا دل اس کی طرف چلا اور اس نے بھی انکار نہیں کیا۔

مجھے نئے راستوں سے شناسا ہونے میں زیادہ وقت نہیں لگتا تھا اس لئے میں جلد ہی اس ٹیچر کے ساتھ گھل مل گیا۔

وہ لڑکی میرے اس روئے سے خفا تھی۔

میں اس کی کال میسج کا جواب دینا چھوڑ دیا کہی دن وہ کالیں میسج کرتی رہی پھر اس نے میسج کیا آخری بار کال سنو اور میں نے جب کال رسیو کی تو وہ کہہ رہی تھی۔

احمر آخری بار مل لو بس ایک بار اسی بینچ ان ہی گلاب کی کیاریوں کے پاس اسی درخت کے پاس جس کی شاخوں پر بلبل کا جوا ڑا رہتا تھا، پلیز احمر انکار نا کرنا یہ آخری بار کچھ مانگ رہی ہوں تم سے۔

فون سے اس کی آنسوؤں میں ڈھلی ہوئی آواز سنائی دے رہی تھی اور میں چاہتے ہوئے بھی انکار نہیں کر سکا تھا۔

ٹھیک ہے آجاؤں گا۔ مختصر سا جواب دے کر میں نے کال کاٹ دی۔

میں اسی بینچ پر اس کے پاس بیٹھا تھا کف موڑے آنکھوں پر۔ نفیس عینک اور بے پروہ سا انداز۔،،

اور وہ میرے سامنے بیٹھی ہولے ہولے سسکے جارہی تھی کانپتا بدن اندر کی طوفانی جھٹکوں کا پتا دے رہا تھا۔

بلبل کا جوڑا وہیں تھا۔ پھول کن آنکھیوں سے اس کو دیکھ رہے تھے۔

تمہارے پاس بیس منٹ ہیں۔

وہ اس کی سسکیوں سے بے نیاز بنا بیٹھا تھا۔

اس کی آواز سن کر سسکیاں تھمی تھیں۔

اب وہ بلکل خاموش تھی۔

باغ میں سناٹا پھیل چکا تھا اور پھول ٹہنیوں پر سہم گئے تھے۔

شاید وہ آخری الفاظ ترتیب دے رہی تھی یا کچھ سوال

اس نے بے زاری سے کلائی پر بندھی گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے سوچا۔

وہ سسکیاں کا گلا گھونٹ چکی تھی پر آنسو تواتر سے اس کے گالوں پر گر رہے تھے۔

وہ ان آنسوؤں سے آنکھیں چرا رہا تھا۔

کچھ دیر یونہی گزری تب اس نے ہلکے سے میرا نام پکارہ

احمر

میں نے آخری بار اس کے لبوں سے اپنا نام سنا تھا۔

ہاں بولو۔

میں نے روکھے سے انداز میں جواب دیا تو اس نے ایک دکھ بھری نگاہ مجھ پر ڈالی اور پھر بولی۔

تمہیں جو میں نے تصویر بنا کر دی تھی اسے ہمیشہ اپنے پاس رکھنا۔ تم نے بیس منٹ بہت زیادہ دے دئے ہیں مجھے۔ اب میں چلتی ہوں۔

وہ خاموشی سے اٹھ کر چلی گئی۔

مجھے لگا تھا کہ وہ بہت ساری باتیں کریں گی شکوے اور شکائتیں کرے گی۔ پر اس نے تو بیس منٹ بھی میرے نہیں لئے تھے۔

وہ جانے کہاں چلی گئی اور میں بھی نئی زندگی میں لوٹ آیا۔ پر کچھ دن بعد ہی میرے اندر اس کی چھپی ہوئی محبت کسی بیماری کی طرح پھیل گئی اور تب میں نے اس لڑکی تلاش کیا پر وہ نہ ملی۔

میں نے اس کی بنائی ہوئی تصویر کو بڑی مشکل سے ڈھونڈا۔

اب میرے پاس وہ تصویر ہی بچی جس میں محبت سانس لیتی ہے۔

مجھے لگتا ہے جیسے وہ جاتے جاتے میری زندگی کو اس تصویر میں قید کر گئی ہے۔

میں برسوں سے اسے ڈھونڈ رہا ہوں پر وہ مل نہیں رہی ہے۔

اس نے شکستہ سی سانس کھینچ کر اپنی بات ختم کی تو میں بھی تھکے ہوئے انداز میں اس کے پاس سے اٹھ آیا۔

پارک سے نکلتے وقت میں نے مڑ کر اسے دیکھا۔

وہ خالی نظروں سے آسمان کو دیکھ رہا تھا۔

مجھے لگا جسے وہ آسمان کے بادلوں سے اس کا پتہ پوچھ رہا ہو۔

محبت پلٹ جائے تو دوبارہ نہیں ملتی ہے۔۔ کسی نے سچ ہی کہا تھا۔

☆☆☆☆

آنکھوں میں پھیلی خوشبو

وہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر بولی۔

تم اور تمہارے لفظ اتنے تنہا کیوں ہوتے ہیں تم اس قدر اکیلے پن کا شکار کیوں ہو چکے ہو؟ مجھے بتا سکتے ہو اتنے چاہنے والوں کے ہوتے ہوئے کوئی تنہا اور اکیلا کیسے رہ سکتا ہے۔؟

وہ مسکرا دیا اور بولا۔

میں ایک ادھورا انسان ہوں اور ہر ادھوری چیز کی طرح میں بھی بہت زیادہ اکیلا اور تنہا ہوں تم نہیں جانتی ہو جب پرانی گڑیا کی جگہ نئی گڑیا آتی ہے تو پرانی والی گڑیا ایک خاص قسم کی تنہائی اور اکیلے پن کا شکار ہو جاتی ہے وہ بہت سارے کھلونوں میں پڑی ہو کر بھی اکیلی رہ جاتی ہے لوگ یا چاہنے والے آپ کی تنہائی نہیں بانٹ سکتے ہیں تنہائی کو بس تنہائی ہی بانٹ پاتی ہے۔

تمہاری باتیں مجھے پہیلیوں کی طرح لگتی ہیں جنہیں میں سمجھ نہیں پاتی ہوں تم ایسی باتیں کرتے ہی کیوں ہو؟

وہ کھلونے میں پڑی اکیلی گڑیا کی طرح الجھی ہوئی اس سے پوچھ رہی تھی۔

وہ اس کی الجھی ہوئی سوالیہ نگاہوں میں پھرتی اس کے بچپن کی کسی گڑیا کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔

مجھے تو تم بھی پہیلی کی طرح لگتی ہو جو ایک بار میرے بچپن میں میری —— 'نانو' نے مجھے بوجھنے کو دی تھی۔ انہوں نے کہا میں ساری رات سوچ کر اس کا جواب دوں اور میں اس پہیلی کو بوجھ نہیں پایا تھا پھر سوچا صبح نانی سے پوچھ لوں گا لیکن صبح تک نانی خود پہیلی بن چکیں تھیں۔ تم وہی پہیلی ہو جس کو میں بوجھ نہیں پایا ہوں۔

مجھے بتاؤ گے کہ تم کیا ہو؟ وہ پین دانتوں میں دبائے پر سوچ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولی تھی۔

پہلے پہل مجھے بھی پتا نہیں تھا کہ میں کیا ہوں پھر مجھے پتا چلا کہ میں ایک خوشبو ہوں۔ خوشبو تو خیر نہیں کہنا چاہئے ہاں بساند ہوں۔

جیسے ساون میں کوئی لڑکی بھیگ جائے اور پھر اپنے کمرے کی چھائوں میں خشک ہو تب جو خوشبو اس کے بدن سے پھوٹتی ہے میں وہ خوشبو ہوں۔

تم نے کیسے جانا کہ تم وہ خوشبو ہو، کیا تم نے وہ خوشبو سونگھی ہے؟۔

ایک دفعہ ساون کی دوپہر تھی میں بس میں سفر کر رہا تھا تب اچانک آسمان 'ماں' کی طرح بلاوجہ ہی رو دیا بارش میں بھیگی ہوئی ایک خالی آنکھوں والی اداس لڑکی اگلے سٹاپ سے بس میں سوار ہوئی اور مجھ سے چند قدم دور آکھڑی ہوئی کچھ دیر میں جب وہ خشک ہونے لگی تو میں نے اس کی خوشبوں کو سونگھا جو بس میں اور اس کی خالی آنکھوں میں بھری جا رہی تھی۔ میں نے اس جیسی خالی آنکھیں کبھی نہیں دیکھیں ایسا لگتا تھا جیسے میں اور سارے بس کے مسافر اس کی خوشبو بھری آنکھوں میں بیٹھے سفر کر رہے ہوں۔

اس دن مجھے لگا کہ میں وہ خوشبو۔

اس کے سوال کے جواب میں وہ بولا۔

تمہیں کس وجہ سے لگا کہ تم وہی خوشبو ہو اس پہلے بھی تم نے کہی قسم کی خوشبوئیں سونگھی ہوں گی؟۔ وہ پھر بولی تھی۔

مجھے وہ خوشبو ایک اداس کر دینے خبر کی طرح لگی تھی۔ تمہیں پتا ہے ایسی خوشبو کس قدر قدر تنہا اور اکیلی ہوتی ہے اس خوشبو کا کوئی گھر نہیں ہوتا ہے۔

کیا تمہیں پھر وہ خوشبو کبھی ملی؟۔

نہیں اس نے نفی میں سر ہلایا اور بولا۔

مجھے پھر وہ خوشبو کبھی نہیں ملی ہے کاش میں اس لڑکی کو جانتا اور اس اسے کہتا کہ مجھے وہ خوشبو کسی خط میں ڈال کر پوسٹ کر دے۔

وہ چونکی اور بولی کیا خوشبو کو خط کی طرح بھیجا جا سکتا ہے؟۔

ہاں کیوں نہیں۔ خوشبو بھی خط کی طرح ہوتی ہے جس پر یادوں کی مہر لگا کر پوسٹ کی جا سکتی ہے۔

کیسے۔ وہ جاننے کو بے چین تھی۔؟

یہ پھر کبھی بتاؤں گا۔ وہ بولا تو اس نے غصے بھری نگاہوں سے اسے دیکھا اور بولی۔

ادھوری باتیں نا کیا کرو۔

وہ تو میں کروں گا ہی۔۔ آخر کو ایک ادھورا انسان جو ہوں اس نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

وہ جانے کے لئے اٹھی اور پرس کاندھے پر ٹکاتے ہوئے بولی۔

تم اپنی باتیں بھی مجھے کسی لیٹر میں ڈال کر پوسٹ کر دیا کرو آدھی ادھوری باتیں۔

وہ ہنسا۔

خط پہلے بھی بہت ادھورے اور اکیلے پن کا شکار ہوتے ہیں اس لئے میں ایسا نہیں کروں گا۔

تو پھر جب تم مکمل باتیں کرنے لگو تو مجھے یاد کرنا۔

اس نے برا سا منہ بناتے ہوئے اس کی آنکھوں جھانکا۔

ہاں ضروری ہم اگلی بار کسی اور کی آنکھوں میں ملیں گے۔

سر کو اثباتی انداز میں ہلاتے وہ بولا تو وہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر خاموشی سے اس کی آنکھوں سے اتر کر کہیں کھو گئی۔

اور وہ اپنی خالی آنکھوں میں پھیلتی یادوں کی خوشبو سے تیرنے والی نمی کو صاف کرتے ہوئے باغ کے دوسرے گوشے کی طرف دیکھنے لگا جہاں کچھ تتلیاں اڑ رہی تھیں۔

آنکھوں سے گمشدہ خواب اور لوگ ایک جیسے ہی ہوتے ہیں۔ دوبارہ نہیں ملتے۔

اس نے دل میں سوچا تھا۔

☆☆☆☆

کہانی کار

شہر کے نامعلوم گوشے میں ایک گھر کے آنگن میں کچھ مردہ تتلیاں چند ٹوٹی ہوئی چوڑیوں کے رنگوں میں مکمل ڈوب چکی تو آسمان کے بادلوں نے شہر کو تاریکی بھری بارش کا تحفہ ارسال کر دیا۔

چند بوسیدہ خواب مرجھائی ہوئی آنکھوں سے ٹپکے اور گھڑی کی سوئیاں بدبختی کے کالے دائرے میں قید لمبی جدائیوں کا ماتم کرنے لرزنے لگیں۔

تب اس نے اپنی آخری سانسوں کو گننے کا آغاز کر دیا۔

وہ خود لمبے انتظار کی جمی ہوئی سرنڈ دیتی جھیل کہ جیسا تھا۔

جس پر امید کے پھول اپنی پتیوں کے گوشوں میں مکمل طور پر کسی انہونی خواہش کو پانے اور پھر چکپے سے مر جانے کا انتظار کر رہے تھے۔۔

یہ شروعات تھیں ایک ایسے سفر کے جہاں جنازوں پر سوکھے پھول دھواں دیتے تھے۔

ایک ایسے شہر کے اندر جہاں رشتیں احساس کے قاتل تھے۔ جہاں برہنا درخت خود اپنی بے لباسی کا ماتم کرتے تھے۔

پرندوں نے اپنے وجدان سے کسی پیشگی حادثے کی خبر کو اپنی چیخوں سے تاریک گلیوں کے اندر پھیلا کر جدائی کی سیاہی کو گھنا کر دیا تھا۔

پر شہر میں موجود کسی بھی آدمی نے ان کی چیخوں سے آنے والے اس طوفان کی خبر کو نا پایہ جس میں یادوں کی موت تھی۔۔

چلتی پھرتی لاشوں کے درمیان خداؤں کے خدا نے ایک فیصلہ لیا کہ ان سے بینائیاں اور سماعتیں چھین لی جائیں گیں۔

کون جانتا تھا کہ مردہ تتلیوں کا ہجوم شہر کا ماتم کہہ رہا تھا۔۔ پھولوں کے اترے ہوئے بے رنگ چہرے آنے والی خزاں کی آہٹ کو سن چکے تھے۔

ہر محبت کی موت شہر کو تاریکی میں ڈوبا دیتی تھی۔

پر چوڑیوں، تتلیوں اور رنگوں کی موت کوئی اتنا بڑا حادثہ نہیں تھی جس کی خبر ریڈیو یا ٹی وی پر نشر کی جاتی۔

یہی المیہ تھا اس شہر کا یہاں موت جسم کی مانی جاتی تھی روح کی نہیں۔

سب کو کچھ ویسے کا ویسا تھا۔

بس محبت کی موت پر کوئی اعلان نہ ہوا تھا۔

اور مردہ تتلیوں کی موت رائگاں چلی گئی تھی

داستان گو نے سانس روک کر ایک لمحے کو سامنے بیٹھی ہوئی لڑکی کی آنکھوں میں پیدا ہونے والی کسی نئی کہانی کو دیکھا

پھر سلسلہ کلام جوڑتے ہوئے بولا۔

یہ ایسے کہانی کار کی کہانی ہے جس کا قلم اداسی بھری اور جدائی سے بوجھل کہانیاں لکھتے لکھتے تھک چکا تھا۔

کیا اس کہانی کار نے کسی سے محبت بھی کی تھی جو وہ اداس کہانیاں لکھتا تھا۔۔؟

لڑکی نے کچھ سوچتے ہوئے سوال کیا۔

بوڑھے داستان گو جیب سے مڑا تڑا سگریٹ نکال کر سلگایا اور لڑکی کے سوال پر غور کرتے ہوئے بولا۔

ہاں۔ جس طرح کوئی کہانی محبت کے بغیر پوری نہیں ہوتی اسی طرح کوئی انسان بنا محبت کی بھٹی میں جلے مکمل نہیں ہوتا۔

تو کیا اسے اس کی محبت نہیں ملی تھی۔۔؟

لڑکی نے ماتھے پر آئی بالوں کی ایک شریر لٹ کو کان کے پیچھے پھنساتے ہوئے پوچھا۔

بوڑھے نے لڑکی کے چہرے پر پھیلی محبت کی روشنی کو دیکھا اور پھر اپنی یاداشت کو ٹٹولتے ہوئے کہنے لگا۔

وہ بچھڑ گئے تھے۔

بلکل ایسے جیسے میلے میں کوئی بچا اپنی ماں سے کھو جائے

وہ ساری زندگی بس ایک اور ایسے میلے کا انتظار کرتا رہا جس میں وہ دوبارہ مل سکیں۔ لیکن وہ میلا لگا ہی نہیں کبھی۔

میلوں میں ہجوم ہوتا ہے۔ بھانت بھانت کے لوگ ہوتے۔ اور ہجوم کبھی کسی کو نہیں ملاتا۔ وہ بس الگ کرتا ہے۔

لڑکی نے ایک تاسف بھرا سانس کھینچا اور بولی.

ان کے بچھڑنے کی اور کوئی وجہ بھی تھی؟

ہاں۔ داستان گو نے سر ہلایا۔

وجہ نہیں وجوہات تھیں۔

وہ کہانی کار چاہتا تھا کہ وہ اس لڑکی کو اپنی یاداشتوں میں ہمیشہ کے لئے مجسم کر دے اس کی خواہش تھی کہ وہ ہمیشہ اس کی اندر کی زمین پر نرم قدموں سے چلے۔

ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ وہ روٹی بنا رہی تھی تو وہ کہانی کار اسے کہنے لگے تم مجھے محبت کی آنچ پر اس روٹی کی طرح پکاؤ۔

پر وہ لڑکی ایسا نہ کر سکی تھی۔

پھر ایک دفعہ اس نے کہا جیسے تم چوڑیاں پہنتی ہو ویسے مجھے بھی اپنی کلائیوں پر کسی ازلی بندھن کی طرح پہن لو۔

پر تب بھی وہ لڑکی چوڑیوں اور بندھن کا مفہوم نہ سمجھ سکی تھی۔

گرمیوں میں جب وہ لسی بنانے لگتی تو وہ کہتا تم مجھے بھی ایسے ہی محبت اور محبت سے عشق کے برتن میں ڈالو اور مجھے کشید کر لو۔اور پھر ایک ایک گھونٹ کر کے پیو۔

پر وہ لڑکی یہ بھی نہ کر سکی تھی۔

داستان گو سگریٹ کا دھواں کسی پرانی ریل کی طرح فضا میں بکھیرا۔

تب وہ بچھڑ گئے۔۔؟

لڑکی نے دھوئیں کو دیکھتے ہوئے اداس لہجے میں کہا۔

بوڑھے نے اس کے اداس لہجے کو سنا اور پھر جب بولا تو اس کی آواز ریل کی سیٹی کی طرح جدائی اور بچھڑ جانے کی اذیت سے بھری ہوئی تھی۔

ہاں۔!۔۔ان کی کہانی میں بچھڑ جانا تو طے ہی تھا۔۔

ان دنوں میں بہت فرق تھا۔

خود کہانی کار نے ایک جگہ لکھا۔

تم میں اور مجھ میں لمبی مسافتوں کا سا فرق ہے

تم اپریل کی خوشگوار صبح ہو اور میں جون کی حبس آلود شام۔

تم ساگر کی نرم لہر ہو جو اٹھکلیاں کرتی ہو اور میں ساحل پر پانی کی جھاگ جو قلیل وقت کے لئے ہوتی ہے پس وہ سوکھ جاتی ہے۔۔تم میں اور مجھ میں کتنا فرق ہے گویا تم تبسم ہو اور میں ہوں جیسے اشک جو آنکھوں سے کبھی ادا نہیں ہوتا،

تم بہار ہو جس میں رنگ کائنات کو تسخیر کرتے ہیں اور میں

ہاں میں تو خزاں ہوں جس کے جلو میں تتلیوں اور پھولوں کی فنا ہے۔

کتنا فرق ہے تم میں اور مجھ میں۔

تم مشرق ہو اور میں ہوں مغرب۔اس تمثیل سے جانو کہ تمہارے ماتھے میں ابھرنا اور میری پیشانی میں ڈوبنا طے ہے۔

آخر سوچتا ہوں کہ تم میں اور مجھ میں کیا یکساں ہے؟

تو کوئی کہتا ہے۔

تم میں اور مجھ میں بس "جدائی" اور گہری تھکا دینے والی "دوری" یکساں ہے۔۔

ہم میں یعنی ہم دونوں میں۔

بوڑھے نے کہانی کار کی زبانی ہی ان دونوں کے درمیان فرق سمجھایا تو سننے والی لڑکی کی آنکھوں میں تنہائی گھنی ہو گئی اور جب وہ بولی تو اس کی آواز میں جدائی گھلی ہوئی تھی۔

کیا وہ لڑکی کبھی واپس نہیں آئی۔۔؟

نہیں کبھی نہیں۔۔وہ لڑکی کبھی نہیں لوٹی۔بس اس کی یادیں کبھی کبھار کہانی کار کی کھڑکی پر دستک دینے آتی تھیں اور اداسی کے سایوں میں کبھی کبھار وہ اس لڑکی کی سائے کو پہچان کر کچھ اداس گیت اپنے گھر کی دیواروں اور چھت کو سنا لیا کرتا تھا جن سے لٹکے ہوئے کہرب کے جالے میں اس کے گیت کسی سوگوار یاد کی طرح پھنس جاتے تھے۔

لڑکی کچھ نہیں بولی۔بس اداسی سے زمین پر لکیریں کھینچنے لگی۔

کچھ دیر خاموشی کہانی کو بنتی رہی اور پھر داستان گو بولا

اس کہانی کار کی زندگی۔جدائی کی تپتی دوپہروں اور تنہائی کے گہرے سناٹوں میں کہیں کھو گئی تھی۔

اسے سچ کہنے کا مرض تھا۔شہر نے اسے لاعلاج قرار دے دیا تھا۔

وہ جبر اور ظلم کے خلاف تھا۔

لوگوں کو اس سے شکایت تھی کہ اس کی کہانیوں کے کردار۔عام چھوٹے لوگ کیوں ہوتے ہیں۔کلرک، گھڑی ساز، مزدور، ریڑھی والا،

وہ ان کو کبھی سمجھا نہیں پایا کہ کہانی تو ہوتی ہی ان لوگوں کی ہے۔

اس کی نظر میں کہانی ایک مفلوک الحال بوڑھیا کی طرح ہوتی ہے جو کھانستے کھانستے مر جائے۔یا اس بیوہ کی طرح جس کے آنسو کائنات کی ہر چیز کو گیلا کر دیں۔

پر شہر کے لوگ جنہیں خداوند نے مٹی سے بنایا تھا سارے پتھر ہو چکے تھے۔ہر ایک کے اندر ان کی ذات کا خدا بیٹھا تھا۔جسے وہ پوجتے تھے۔

ایسے میں اس کی باتیں دیوانے کی صدا کی طرح کون سنتا تھا۔

اس لئے وہ تنہا ہو گیا۔

وہ مر تو بہت پہلے چکا تھا لیکن اس کے تابوت میں آخری کیل محبت نے ٹھوک دی تھی۔

وہ سچائی اور سچ کہنے کے جرم میں موت کی سزا کا مستحق تھا۔

وہ کہتا کہ مجھے ان سچائی کے سارے قولوں سے نفرت ہے جو جھوٹے لوگ کہتے۔ مجھے شہر کے قانون سے نفرت ہے جسے مجرموں نے بنایا ہے۔

تم ہی بتاؤ ایسا شخص کب تک زندہ رہ سکتا۔۔؟

بوڑھے نے کہانی سناتے ہوئے اچانک سامنے بیٹھی لڑکی سے سوال پوچھا تو وہ چونکی۔

لڑکی نے اپنی ہاتھوں کو ایک دوسرے سے رگڑا اور پھر دور اڑتے پرندوں کو دیکھنے لگی۔

شاید اس کے پاس جواب نہیں تھا۔

بوڑھے کی جھریوں زدہ چہرے پر ایک مسکراہٹ نے قدم رکھا اور ان وہ بولا۔

ایسے لوگ بہت کم جیتے ہیں۔ بچپن کے کچھ سال بس۔

اس کے بعد وہ بس سانسوں کو گھسیٹ رہے ہوتے ہیں.

ایسے لوگ ہمیشہ اکیلے اور اداس رہتے ہیں۔

ان کی سچائی اور احساس ان کو اقساط میں موت دیتے ہیں۔ تب تک جب وہ مکمل مر نہیں جاتے۔ اور لوگوں کے سامنے ایک مٹی کے ڈھیر کی صورت اختیار نہیں کرتے۔

جس کی یہ کہانی ہے وہ بھی اب دم آخر ہے۔

شاید ایک مدت بعد لوگ اس کی کہانیاں سمجھیں اور اسے ایک ہیرو کا درجہ دیں اور ہر چوک میں اس کا مجسمہ نصب کریں۔

لیکن افسوس کہ اس شہر میں موت ہی واحد راستہ ہے جس پر چل کر آپ اپنے لئے لوگوں سے کچھ اچھے بول لے سکتے ہیں۔

جینے کے لئے مرنا ضروری ہے۔۔۔ اور یہی اس کہانی کار کی ادھوری کہانی ہے۔

بوڑھے نے کہانی سمیٹ لی اور وہ لڑکی خاموشی سے اٹھ کر چلی گئی۔

تب شہر کے ایک گوشے میں کہانی کار نے اپنا آخری سانس لیا۔

داستان گو نے ٹھیک کہا تھا۔

جینے کے لئے مرنا ضروری ہے۔۔!!

☆☆☆☆

کوٹ کی جیب سے گرے ہوئے لمحے

میں نے اس سے پوچھا۔
تیرا رازدار کون ہے
ہنسی اور اپنی ڈائری سے کچھ خشک پھول مجھے تھما کر بولی۔
یہ خشک پھول میرے رازدار ہیں۔
تب میں نہ سمجھا۔
پھر یوں ہوا ہوں اجل کے ظالم ہاتھوں نے اس کی جان کو جسم سے بعید تر کر دیا تو اک دن کچھ ڈھونڈتے ہوئے
پرانے اونی کوٹ کی جیب سے اس کے وہ دو خشک پھول مجھے ملے۔
مرجھائے ہوئے بے رنگ اترے ہوئے چہروں کے ساتھ۔
میں نے غور سے انہیں دیکھا۔
ان کی خشک پھولوں کی رنگوں میں کچھ راز ابھی تک سانس لے رہے تھے۔
میں نے ان پھولوں کو لبوں سے لگایا۔
مجھے لگا ان پھولوں میں اس کے دل کی دھڑکن ہو۔۔ جس نے میرے لبوں کو مرتعش کر دیا۔
کچھ تھا ان پھولوں میں جو میں اس وقت نہیں سمجھا تھا جب اس نے وہ مجھے دیئے تھے۔
پر اب جب اس کی زندگی کی دھوپ سرک چکی تھی اور اور ہجر کے سائے لمبے ہو چکے تھے۔
ان پھولوں نے مجھ سے کچھ کہنا چاہا۔
میں ان پھولوں کی نبض پر ہاتھ رکھا۔
وہ ابھی تک روانی سے چل رہی تھی۔
میرے لئے یہ ایک نہ سمجھنے والی بات تھی۔
میں نے غور کیا ایسا کیا ہے ان میں جو مجھے دکھائی نہیں دے رہا پر محسوس ہو رہا ہے۔

میں نے اس کوٹ کو پہنا۔

مجھے اس کوٹ سے ادھورے پن کی باس آتی ہوئی محسوس ہوئی۔

ادھوری چیزیں کس قدر اکیلی ہوتی ہیں۔

میں نے محسوس کیا کہ جیسے میں نے کوٹ کی جگہ ماضی کو کوئی لمحہ پہنا ہو۔

وہ لمحہ جو جو پرانی گڑیا کی طرح پڑ چھتی پر پڑا کاٹھ کباڑ میں سے دو ننھے ہاتھوں کو اپنی طرف بلاتا ہو۔

میں نے یادوں کی ڈائیری کو ٹیبل پر رکھ اور اس کی صفحات الٹ پلٹ کرنے لگا۔

تب مجھے لگا۔

کوٹ کے جیب میں ایک سرخ گلاب اگ آیا ہو۔

میں نے وہم سمجھ کر سر جھٹکا۔

گھڑی سے وقت نے جھانک کر مجھے کہا

سمے تیزی سے بیت رہا ہے۔

مجھے کہیں جانا تھا۔

میں نے گاڑی نکالی۔

اور باہر نکل آیا۔

ایک سگنل پر گاڑی روکے میں کوٹ کی جیبوں میں گزشتہ عمر ڈھونڈنے لگا۔

شیشے پر دستک ہوئی۔

چونکا اور باہر دیکھا۔

اک بچا سفید موتیا کے پھول لیکر کھڑا تھا۔

میرے سر اٹھانے پر بچے نے مایوسی سے مجھے دیکھا۔

اور پھر دوسری گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

میں نے بیک مرر میں دیکھا۔

ایک حنائی ہاتھ گاڑی سے برامد ہوا۔

شاید کوئی نوبیاہتا جوڑا پچھلی گاڑی میں نئے خوابوں کی خوشبو میں بھیگ رہا تھا۔

میں نے اپنی ساتھ والی سیٹ کو دیکھا۔

جو چور نظروں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔

کوٹ مزید بھاری ہو گیا۔

سگنل کھلا۔

میں نے گاڑی آگے بڑھائی۔

سڑک کے ساتھ ساتھ اب سمندر بھاگ رہا تھا جس کے کنارے دور پھیلے آسمان کو کہیں بوسہ دے رہے تھے۔

میں نے آسمان کو دیکھا جو لب واکئے نیلے پانیوں پر جھکا کچھ سر گوشیاں کر رہا تھا۔

میں نے ایک بار پھر کوٹ کی جیبیں ٹٹولیں پر میرے ہاتھ میں "خالی پن" کے علاوہ کچھ نہ آیا۔

ایسا کیا ہے کہ جو یہ کوٹ اتنا بھاری بھاری سا ہو رہا ہے۔

میں نے سوچا۔

میں نے ڈیش بورڈ پر پڑے خشک پھولوں کو دوبارہ اپنے ہاتھوں میں پکڑا۔

شاید وہ کچھ کہنا چاہتے تھے۔

میں نے سننے کی کوشش کی۔ پر جواب میں خاموشی سے میرے کان پھٹنے لگے۔

میں نے گاڑی سائڈ پر روکی اور باہر نکل آیا۔۔

یہ شہر کا قبرستان تھا۔

اچانک میری نظر ایک قبر پر گئی جس پر دو سفید پھول کھلے ہوئے تھے۔

میں نے اپنے ہاتھوں میں موجود پھولوں کو دیکھا۔

اچانک ان سے محبت کی خوشبو آنے لگی۔

تب دفعتاً میری بوسیدہ یادداشت میں ایک زندہ یاد ابھری۔۔

یہ پھول میں نے ویلنٹائن ڈے پر اپنی بیوی کو دیئے تھے۔

اور اس نے ان پھولوں کو اپنی ڈائری میں رکھتے ہوئے ایک پھول میرے اسی کوٹ کی جیب پر لگایا تھا۔

میں نے طویل سانس لی۔

کوٹ کے جیب میں گزرے بائیس سال کی رفاقت تھی۔

اور وہ پھول۔

جو مجھ سے کچھ کہہ رہے تھے۔

بائیس سال محبت کی یادگار تھے۔میں نے محبت سے کوٹ میں ان گرے ہوئے لمحوں کو رکھا۔اور گاڑی میں بیٹھ گیا۔

مجھے لگا دوسری سیٹ پر وہ مجھے دیکھ کر مسکرائی ہو۔

ہم جلد ملیں گے۔

میں نے زیر لب کہا اور جیب کو تھپکا۔

میری جیب میں محبت کی یادگار کے وہ دو پھول پڑے تھے۔۔

اور بائیس سالہ خوبصورت لمحات جو میں نے اس کی رفاقت میں گزرے تھے۔

جب میں ٹریفک کے بہاؤ میں شامل ہو رہا تھا تو میں نے اس گاڑی کو دیکھا جو مجھے سگنل پر ملی تھی۔۔وہ سمندر کی طرف جانے والی سڑک پر گھوم گئی تھی۔

نئی رفاقت اور محبت سلامت رہے۔

میں نے دل سے ان کے لئے دعا دی۔

بوڑھے دنوں میں محبت کی یادگاریں ہم جیسوں کو اکیلے پن کا احساس کہاں ہونے دیتی ہیں۔۔

میں تمہاری کہانی سے باہر گر چکا ہوں پر ہم جلد ملیں گے اور اپنی کہانی کو دوبارہ سے لکھیں گے۔

میں نے ونڈ سکرین سے باہر آسمان کو دیکھتے ہوئے پر سکون لہجے میں کہا۔

اور ہجوم میں کھو گیا۔۔

☆☆☆☆☆

آوازیں، عکس، جسم، اور محبت

یہ جھیل دو پہاڑیوں میں گری ہوئی ہے نگاہوں کو سرور دیتی ہے۔ لگتا ہے کسی ماہر فوٹو گرافر نے انتہائی مہارت سے تصویر نکال کر زمین پر پھیلا دی ہو۔۔ پر وہ دونوں شاید آؤٹ آف فوکس تھے۔

وہ دل میں سوچتا ہے۔۔ پھر اسے دیکھنے لگتا ہے۔

لباس کے اندر اس کا گدرایا ہوا بدن اس کی نگاہوں کے کینوس پر پھیلتا ہے۔۔

لاحول ولا قوت۔۔۔ وہ سر کو جھٹکتا ہے۔۔۔

یہ جھیل مختلف پرندوں کی یادوں کی آوازوں میں کھوئی ہوئی ہے۔

وہ اسے مخاطب کرتا ہے۔۔۔

وہ چونکتی ہے۔۔۔ اس کے لب لرزتے ہیں۔۔۔ پر آواز فضا میں کہیں کھو جاتی ہے۔۔

وہ سننے کی کوشش کرتا ہے۔۔۔ اس نے کچھ کہا ہے۔۔۔ وہ دل میں سوچتا ہے۔۔۔ پر مجھے کیوں نہیں سنائی دیا۔۔۔ وہ الجھتا ہے۔۔

وہ اس کے ہونٹوں کو دیکھتا ہے۔۔

اگر میں ان کو چوم لوں۔۔۔ ایک خیال اٹھتا ہے۔۔ اس کے بدن میں سرسراہٹ ہوتی ہے۔۔۔ توبہ توبہ۔۔۔ وہ خود کو سرزنش کرتا ہے۔

میں عکس ہوں تم حقیقت۔

وہ پھر سے کہتا ہے۔۔۔۔ وہ اس کی طرف دیکھتی ہے۔

کچھ کہتی ہے۔۔۔۔ پر سناٹا ہے۔

وہ سننے کی کوشش کرتا ہے۔۔۔ سرد ہوا اس کی وجود کی خوشبو اس کے نتھنوں میں انڈیل دیتی ہے۔۔ اس کا لمس کیسا ہو گا۔

وہ اپنی ہتھیلیوں کو ایک دوسرے سے مسلتا ہے۔

لمس۔

اس کا ان چھوا لمس۔۔۔ اس کے سارے بدن میں سرایت کر جاتا ہے۔۔

یہ جھیل بوڑھی ہو چکی ہے۔

وہ توجہ ہٹانے کے لئے کہتا ہے۔۔۔وہ جھیل میں پتھر پھینکتی ہے۔۔۔سوئی ہوئی جھیل چونکتی ہے۔۔۔لہریں ایک دوسرے کے تعاقب میں لپکتی ہیں۔۔۔ایک دوسرے سے ٹکراتی ہیں۔۔۔دائرے بنتے ہیں۔۔۔مٹ جاتے ہیں۔

وہ پہلو بدلتا ہے۔۔۔تم ٹھیک کہتے ہو۔۔اس کی آواز کانوں میں انگڑائی لیتی ہے۔۔۔اس ساعت بیدار ہوتی ہے۔۔۔کس قدر شیریں آواز ہے۔۔۔وہ اس کے لبوں کو دیکھتا ہے۔۔

ایک خیال پھر سر اٹھاتا ہے۔۔۔وہ اس کے قریب سرکتا ہے۔۔

جھیل کن آنکھیوں سے اسے دیکھتی ہے۔۔۔وہ چور نظروں سے اسے دیکھتا ہے۔۔۔جذبات کی لہریں پیدا ہوتی ہیں۔۔۔اس کے کندن بدن سے ٹکراتی ہیں۔۔۔جلساہٹ کی بے معنی آواز پیدا ہوتی یے۔۔۔شسس شسس۔۔۔۔وہ پتھر کی سل پر پہلو بدلتا ہے۔۔۔محبت کا پرندہ دور سے اڑتا ہوا اس کے کاندھے پر آبیٹھتا ہے۔

ہش ہش۔

۔وہ اسے اڑاتا ہے۔۔۔پر وہ بے پرواہی سے بیٹھا رہتا ہے۔

دور چراوہا بانسری بجاتا ہے۔۔۔اس کی آواز پر وہ چونکتی ہے۔۔

وہ بھی دور دیکھتا ہے۔۔۔۔پھر وہ کچھ سوچ کر اس کے قریب سرکتی ہے۔۔۔

ہیجان ہیجان۔۔۔وہ پہاڑیوں کو دیکھتا ہے۔۔۔وہ اس کا ہاتھ تھامتی ہے۔۔۔اور چومتی ہے۔۔۔دھک دھک۔۔۔دل کی دھڑکن جھیل میں گرتی ہے۔۔۔کوئی لہر پیدا کیے بغیر ڈوبتی ہے۔۔

وہ خیال سے وجود کی سمت اڑتا ہے۔۔۔محبت کا پرندہ اپنے کاندھے پر چونچ مارتا ہے۔

بدن بدن۔۔۔وہ دل میں پکارتا ہے۔۔۔ہوس کا گدھ فضا میں منڈلاتا ہے۔۔۔روحیں ایک دوسرے میں جھانکتی ہیں۔

بدن روح کا دروازہ ہے۔۔۔وہ مسکراتا ہے۔۔۔ٹھنڈی ہوا کے جھونکا اس کی گھنی زلفوں میں ڈوبتا ہے۔۔۔وہ اسے دیکھتا۔۔۔وہ اسے دیکھتی ہے۔۔۔وہ اپنا آپ کھوتا ہے۔۔۔پھر وہ دیوانا وار اُسے چومتا ہے۔۔۔چومتا جاتا ہے۔۔۔ہوا ساکت ہوتی ہے۔۔۔دھڑکنیں بے ترتیب ہو کر گنگناتی ہیں۔۔۔وہ اس میں ڈوبتا ہے ابھرتا ہے۔۔۔تجسیم اور تقسیم۔۔۔اس کا عکس اس کی آنکھوں میں لہراتا ہے۔۔۔اس کا وجود دھواں بن کر جھیل کے کناروں سے پرے اٹھتا ہے۔۔۔وجود کی موت ہوتی۔۔۔۔لمس فاتحانہ قہقہ لگاتا ہے۔۔۔۔وہ امرت دھارے میں سانس لیتا ہے۔۔۔۔دھیرے دھیرے سب مٹ جاتا ہے۔۔۔خیال۔۔۔عکس، آوازیں۔۔۔محبت۔۔۔۔ہوس۔۔۔جھیل۔۔۔پہاڑیاں۔۔۔بدن۔۔۔لمس۔۔۔بوسہ۔۔۔گرماہٹ۔۔۔نرماہٹ۔۔۔۔سب بھاپ بن

جاتا ہے۔

ذات دوسری ذات میں انگور کی بیل کی طرح ایک دوسرے میں جکڑی جاتی ہے۔

سب کچھ خیال ہو جاتا ہے۔۔۔ عکس حقیقت میں سمٹ آتا ہے۔۔۔ فطرت مسکراتی ہے۔۔ وجود سچائی بنتا ہے۔۔ فلسفے ایک دوسرے کو چور نظروں سے دیکھتے ہیں۔۔۔ امر۔۔۔۔۔ سب کچھ امر ہو جاتا ہے۔۔۔!!

☆☆☆☆☆

آخر کیوں۔؟

پتا نہیں وہ اسے کیوں ملی تھی اگر ملی تھی تو اس کی رفاقت کا عرصہ اتنا قلیل کیوں تھا؟

ایسے گویا جیسے آسمان کی وسعتوں میں کوئی ٹوٹا ہوا تارہ تیزی سے روشنی پیدا کرتا ہوا اس کی نیلگوں گہرائیوں میں ڈوبتا چلا جائے۔

ابھی وہ اس کی روشنی میں چند قدم ہی چلا تھا کہ یک لخت گہری تاریکی نے ہر جزبے ہر احساس اور ہر خوبصورت منظر کو اپنی چادر میں سمیٹ لیا اور وہ سوگوار یادوں کی ہجوم میں اکیلا رہ گیا۔

کبھی کبھی ہمیں گمان سا ہوتا ہے کے کوئی ہمیں اچھی طرح جانتا ہے۔ہماری خاموشی سے کلام کرتا ہے۔۔ہماری چپ کی چیخوں کو سنتا ہے ہماری روح کا کہرب جانتا ہے۔۔۔پر انجام کار وہ شخص کوئی بھی نہیں نکلتا۔۔۔یکسر اجنبی۔۔۔سب کچھ ٹوٹ جاتا ہے مان۔۔ وعدے اور بھرم۔۔ ابن آدم بھی عجیب چیز ہے جلد فیصلے لیتا ہے اور بہت جلد پچھتاوے کی آگ کا ایندھن بن جاتا ہے۔۔کوئی کسی کو نہیں جان سکتا۔۔۔کوئی دھوکا نہیں دیتا کبھی۔۔ہم خود کو ہی دھوکہ دیتے ہیں۔۔۔بہت خوبصورتی کے ساتھ ۔۔۔اور پھر خود ہی اس خوبصورت دھوکے پر چیختے چلاتے ہیں۔۔۔یہ ایک اور دھوکا ہوتا ہے۔۔۔ تھوڑہ بدمزہ سا۔۔۔۔ تعلق جلد بوجھ بن جات ہیں اور سب جانتے کے بوجھ پھینک دیئے جاتے ہیں۔

شاید وہ بھی بوجھ بن چکا تھا اس لئے تو اس نے پھینک دیا۔

کیا وہ اس پر الزام لگاتا کہ اس نے اسے دھوکا دیا ہے۔۔؟؟

دھوکا اس نے اپنے آپ کو دیا تھا کہ وہ اس سے محبت کرتی ہے اسے چاہتی ہے اور وہ مان گیا تھا کہ وہ سب سچ ہے جو وہ سوچتا ہے۔

آخر وہ کیسے نہ مانتا کہ وہ اسے نہیں چاہتی ہے اس نے خود ہی تو کہا تھا کہ وہ اس سے بہت زیادہ محبت کرتی ہے۔

جب کوئی آپ سے کتا ہے کہ وہ آپ سے محبت کرتا ہے تو کوئی کیسے اسے جھوٹ مان سکتا ہے، کیا محبت جھوٹ ہوتی ہے۔

شاید نہیں!

محبت تو کائنات کی چند بڑی سچائیوں میں سے ایک روشن سچائی ہے جو قلب کو معطر کرتی ہے روح کو پاکیزہ کر دیتی ہے۔کوئی اتنی بڑی سچائی کو جھوٹ نہیں مان سکتا ہے اس نے بھی تو نہیں مانا تھا۔اس نے سارے وعدوں قسموں پر ایسے یقین کر لیا تھا جیسے وہ اپنی اس کائنات یں کسی جگہ موجودگی پر یقین رکھتا تھا۔

وہ پچھلے ایک گھنٹے سے پریشان بیٹھا ہوا خود سے دست و گریبان تھا۔

وہ نہیں مان رہا تھا کہ محبت جھوٹ ہو سکتی ہے اور وہ اب اس کی نہیں رہی۔

پر اس بات سے کسے فرق پڑتا تھا۔۔؟؟

سچائی تو یہی تھی کہ محبت جھوٹ تھی اور وہ دونوں جدا جدا۔

☆☆☆☆☆

وہ ایک مٹیالی سہ پہر تھی جب وہ اسے ملی۔

اس سے زیادہ فرق نہیں پڑتا کہ وہ کہاں ملی جگہ کون سی تھی اور دن کون سا تھا۔است بس اتنا یاد تھا کہ وہ بارش کا دن تھا آسمان کھل کر برسا تھا اور منظر نکھر چکے تھے۔

تب وہ اسے ملی جیسے مدتوں بعد کوئی خواب آنکھوں میں اترا ہو اسے پتا ہی نہیں چلا کہ کیسے وہ اس کی آنھوں سے دل تک اور پھر روح کے اندر سرایت کرتی چلی گئی۔

وہ بارش کی نرم پھوار جیسی کومل اور سکون بھری تھی۔

کتنا خوبصورت ہوتا ہے وہ احساس جو کسی کے چاہنے یا چاہے جانے کا ہوتا ہے۔

وہ بھی اسی احساس کے سائے میں جینے لگا تھا زندگی بھلی لگنے لگی تھی۔اس کی باتیں سننا کتنا اچھا ہوا کرتا تھا۔

زندگی میں محبت کا ہونا کس قدر معنی رکھتا ہے وہ جان گیا تھا۔

لیکن وقت تیزی سے گزرا جیسے ہتھیلیوں میں سے بارش کی بوندیں تیز تیز گریں۔ایک دڑاڑ،ان کے بیچ در آئی جسے اس نے اپنے وجود سے پاٹنے کی کوشش کی لیکن وہ پاٹ نہ سکا۔

اس کی یادوں کی ڈائری کے بوسیدہ اوراق میں متصل عہد میں کی گئی محبت کی باقیات میں کچھ لمحے مرجھائے ہوئے پھولوں کی طرح پڑے ہوئے تھے جن سے جدائی کی باس پھیلتی ہوئی اس کی اندر کی گہری تنائی میں نوحہ کناں تھی۔ہاں کبھی کبھار اس باس میں سے محبت کی خوشبو پھوٹ کر اسے یقین دلانے لگتی کہ نہیں۔محبت جھوٹ نہیں ہوتی۔

محبت کی کہانیاں جو اس نے پڑھی تھیں ان س تو لگتا تھا کہ محبت میں فراق کے بعد چوڑیاں کلائیوں پر دم توڑ دیتی ہیں اور ان کی رنگ جدائی کی دھوپ سے اڑ جاتے تھے۔شوخیاں سنجیدگی مے لبادے میں ملبوس ہو کر کسی جوان بیوہ کی طرح تنہائی پذیر ہو جاتی تھیں۔

کبھی جو تبسم لبوں پر آجاتا تو اسے خون رسنے لگتا۔

لیکن شاید یہ باتیں کتابوں، اور کہانیوں میں ہی بھلی لگتی تھیں ان میں سچائی نہیں تھی۔ اگر ہوتی تو کتابوں کی جلدیں پھٹے ہوئے زخموں کی طرح لہو رنگ ہو کر محبت میں لکھے گئے عنوانات کو کھا نہ جاتیں۔؟؟

مرد بھی کتنے بے وفا ہوتے ہیں۔ یہ جملہ اس نے سینکڑوں بار لفظوں کے ردوبدل سے پڑھا تھا اور ہر بار ایک مفہوم ایک ہی مفہوم نکلتا، یقیناً مرد بے وفا ہیں۔

لیکن اس بات کو شاید وقت نے حرف غلط کی طرح مٹا دیا تھا۔

اب اس فکر بھری دنیا میں عورتوں ایک گروپ ایسا پیدا ہو گیا ہو گا جو بے وفائی کا لباس تفاخر سے زیب تن کر چلتی تھیں۔

جو جدید فیشن کی طرح محبت بدلتی ہیں۔ گویا محبت ان کے ہونٹوں پر جمی لپ سٹک جیسی ہے ادھر لباس بدلا ادھر اس کا رنگ۔ میچنگ جیولری، جوتے، لپ سٹک اور میچنگ محبت۔ شاید ساری بات ہی میچنگ کی تھی۔

بدلتے ہوئے طور طریقوں کے ساتھ محبت بھی بدل رہی ہے۔

دنیا کہتی ہے فلاں، پرندے، اور جانور کی نسل تیزی سے ختم ہو رہی ہے۔

تنظیمیں اس بات کا سد باب کر رہی ہیں مٹنے والی پرندوں اور جانوروں کی جاتیوں کو کیسے بچایا جائے۔

لیکن کوئی نہیں سوچ رہا ہے کہ عہد حاضر میں مٹنے والی نسلوں میں سب زیادہ قیمتی نسل "محبت"۔ ہے

بے وفائی کا جراثیم صنفی امتیاز سے چل کر برابری کی سطح پر آ چکے ہیں۔

شاید آنے والی نسلیں جب محبت کا ذکر سنیں تو اسے بھی ڈائناسور کی طرح مٹی ہوئی کوئی مخلوق سمجھیں۔

اس نے تلخی سے سر جھٹکا اور اوپر دیکھنے لگا۔

ٹنڈ منڈ شاخیں اور بادلوں سے ڈھکا ہوا آسمان۔

وہ بھی تو اس کا آسمان تھی۔

بنا آسمان کے رہنا کیسے لگتا ہے۔۔؟؟

ایک اور سوال اس کی سوچوں پر دستک دے رہا تھا۔

☆☆☆☆☆

شاخ پر اٹکا ہوا آخری پتا بھی دم توڑ کر ہوا کے دوش پر دائیں بائیں لہراتا ہوا اس کی نگاہوں میں اڑتا ہوا سامنے آن گرا۔

خشک پے اصل میں ان محبت ناموں کا نوحہ کہتے ہیں جن میں لکھے گئے اکثر عہد و پیمانوں کو وقت کا بے رحم کیڑا کھا چکا ہوتا ہے۔ خشک پتوں کو اگر بغور دیکھیں تو ان کی ابھری ہوئی رگوں میں کہیں نہ کہیں درخت سے بچھڑ جانے کی اذیت زدہ سلوٹ کا

گمان یا درد ضرور دکھائی دیتا ہے۔

بچھڑ جانے کا غم بھلا خشک پتوں سے زیادہ اور کون جانتا ہو گا۔

اس نے طویل دکھ بھری سانس اپنے اندر کھینچی۔

جب بہار جوبن پر تھی اور تتلیوں پھولوں کے کانوں میں بہار کے نغمیں گاتی تھیں تب بھی وہ یہاں ہی ملا کرتے تھے۔

اس کی بے پراوہ باتوں کی سرگوشیوں اب تک اس کے کانوں مین ہنستی تھیں۔

پھولوں کے بیچ خود وہ مخملی لہجے میں کبھی کوئی گانا گاتی تو اسے لگتا جیسے اس کی سماعتوں نے کوئی فردوسی نغمہ سنا ہو۔حال کی تلخیاں جیسی بھی تھیں پر ماضی کا خوبصورت پل شاید اب بھی کہیں نے کہیں اس پارک کے گوشے میں موجود اس کو تسلیاں دے رہے تھے۔

وقت کی بساط پر کھیلی گئی ایک بڑی بازی میں وہ ہار چکا تھا۔

وہ جس نے جیتنا جانا تھا۔جس نے زندگی میں آنے والی ہر بڑی مصیبت کا سامنہ جواں مردی سے مقابلہ کیا تھا۔اس کی آنکھوں میں آنسو تو دور کوئی غم اس کی پیشانی پر شکن تک نہیں لا سکا تھا۔

اس نے سوچا نہیں تھا کہ وہ ہارے گا تو ایک لڑکی کی ہاتھوں۔اس کا وجود شکستہ ہکور جھڑے گا تو اس کے پیچھے ایک ایسی مخلوق کا ہاتھ ہو گا جو خوشی پر بھی روتی ہے۔نازک خیالوں والی کائنات کی سب خوبصورت ترین تخلیق یعنی کہ ایک عورت سے۔

وہ جس نے حسین چہروں کو کبھی مڑ کہ نہ دیکھا تھا۔جس کی دنیا میں اس کا مقام بلند تھا۔

کوئی حسن یا ادا کا تیر اس کے کردار کی چادمیں چھید نہ کر سکا۔جس کے ارد گرد چاہنے والوں کا ہجوم تھا۔

پر وہ ہارا بھی تو کس سے۔۔؟؟ایک عورت سے۔

پر وہ ہارا بھی نہیں تھا بس شاکڈ تھا۔

وہ جدائی کی گہری دھند میں کہیں کھو چکی تھی۔اور وہ نہیں جانتا تھا کہ اسے کہاں کھوجے گا۔کہاں ڈھونڈے گا۔

اس نے اپنے دل کی حالت پر غور کیا۔

شاید وہ اس سے کچھ کہنا چاہتا تھا۔

پر وہ کس سے کہتا۔درختوں سے یا خشک پتوں سے یا سوکھی ہوئی پھولوں کی ٹہنیوں سے۔آخر وہ کسے اپنا غم سناتا اور کون اس کا غم سنتا۔

☆☆☆☆☆

پورا ایک سال ہونے کو آیا تھا لیکن وہ تھی کہ اس کے اندر روح کی طرح موجود تھی۔

وہ اس پینٹنگ کی طرح ادھورا تھا جسے بناتے ہوئے مور مر جائے اور وہ صدیوں سے کسی گیلری کے کباڑ خانے میں ادھوری پڑی ہو۔

اس کے اندر گھنی تنہائی پھیل چکی تھی اور اتھاہ گہرائیوں تک جدائی کا درد۔

اس نے اپنے اندر اٹھتی درد کی ٹیسوں کو محسوس کیا اور پھر جیسے کسی وجدانی جذبے کے احساس سے مغلوب ہو کر کہنے لگا۔

تو کہاں چل دی پری پیکر۔۔۔؟؟۔

تیری دوری نے قلب حزیں کو پریشان کر دیا اور خوشیوں کو یوں منتشر کر دیا جیسے آندھی خزاں رسیدہ پتوں کو بکھیر دیتی ہے۔۔

میں تیری یاد کی بے چینیوں مبتلا ہوں اور تیری تلاش میں دربدر

جانے سے پہلے یہ تو بتاتی جاتی کہ تجھے کہاں ملوں گا وہ کون سی جنت نذیر جگہ ہوگی جہاں میں تیرا ہونا محسوس کروں گا۔۔

مجھے بتا تجھے کہاں کھوجوں۔۔۔ بلبل کی چہک میں یا پھولوں کی شگفتگی میں۔۔ بہتی ندیوں کے ترانوں میں یا گرتے جھرنوں کے جان سوز نغمات میں۔۔۔ستاروں کی شوخ چمک میں یا چاند کے حسین چہرے میں۔قوس کے دلفریب رنگوں میں یا پھر شاعروں کی دل گداز شاعری میں۔۔۔ تو بتا تیری جستجو میں کتنا چلوں میرا وجود تھکن سے چور ہو گیا اور آنکھیں اشکوں سے خالی۔۔۔ہائے یہ بدنصیبی کے اب آنکھ رونے سے انکاری ہے۔۔اور دل مجبوری میں دھڑک رہا ہے۔۔۔۔۔میں نے رات کی تاریکیوں میں تجھے مانگا اور دن کی روشنیوں میں تیری تلاش کی۔ پر آہ۔۔یہ تو محض ایک سعی ناکام تھی۔تو آج بھی مجھ سے اتنا ہی دور ہے جتنا کل تھی۔

اے راحت دل۔ کبھی تو میرے سامنے ہوتی ہے کہ تیرا لمس میری روح تک محسوس کرتی ہے اور کبھی اس قدر دور کے سوچ کی لہریں تیری ذات کے ساحل کو چھو نہیں سکتی۔

یاس والم نے مجھے اپنے حصار میں لے لیا اور میں بلکل نڈھال ہو گیا جیسے طویل بیمار چارپائی خستہ حالی میں پڑا ہو۔

اب بس بھی کر دے اے پری پیکر۔۔

دل خواہشوں سے خالی ہو گیا میرا حال اس جوان لڑکی کا سا ہے جو شب عروسی میں خاوند کا انتظار کر رہی ہو اور اچانک کہنے والا کہے اس کا محبوب مر گیا۔۔اور یہ بیوگی کی موت۔۔ کوئی ہے جو اس کا درد بیان کر سکے؟ نہیں نا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔؟؟۔

اے میری محبت میں نے مدتوں تجھ سے محبت کی اور کیا زبردست کی۔میں تیری خوابوں کی وادیوں میں پھرا اور تیرے

نغموں کو سنا۔ پر سب کچھ لاحاصل رہا۔۔اس شخص کا درد کون بیان کرے جسے لمبی مسافتوں کے بعد منزل نہ ملے۔بس ایک تھکن جو ابدی کہرب کی صورت میں اسے اوڑھادی جائے اور پھر کہا جائے تم جیو ہزار سال۔۔کوئی ہے اس کی تھکن کو بیان کرنے والا۔۔؟

ہائے یہ دلخراش سانحہ اور درد انگیز واقعہ کے تیرے بعد میں خود کو روز مرتے دیکھتا۔۔۔ قسطوں میں کوئی کیا جانے اقساط میں مرنا کس قدر اذیت دیتا ہے۔

اے میری خوش۔

تولوٹ آ بس تُو لوٹ آ۔

خشک پتے اس کی فریادوں کو سن کر ایک دوسرے کو اشک بار نظروں سے دیکھنے لگے تھے اور پھولوں سے خالی کیاریوں میں ''خالی پن'' کا احساس شدت سے بیدار ہو چکا تھا۔

جس درخت کے نیچے وہ بیٹھا تھا اس کی جلد پر کچھ اور کھردری ہونے لگی تھی۔

شاید ادھڑے ہوئے خوابوں کو مجسم دیکھنا خزاں کے ہاتھوں تسخیر شدہ درخت کو دیکھنے جیسا تھا۔

پر وہ جسے سننا تھا وہ نہیں سن سکتی تھی۔

بس وہ اپنا فیصلہ سنا کر جا چکی تھی۔اس جج کی طرح جو کسی سزائے موت کے قیدی کی سانسوں پر تین مرتبہ ہتھوڑا مار رکھے۔

کورٹ ازڈس مس۔

زندگی کا قصہ ختم۔

اس نے سگریٹ کا پیکٹ نکالا اور اسے ہوئی آخری ملاقات کو سوچنے لگا۔

وہ ایسا ہی خزاں کے آہنی پنجوں میں پھنسا ایک دن تھا جب وہ اس آخری بار ملا تھا۔

☆☆☆☆☆

آخری ملاقات اسے ہمیشہ یاد رہی تھی۔

شاید سب کو آخری ملاقات اور الوداع کہنا یاد رہتا ہے۔

محبتوں میں اعتبار نہ ہو تو وہ جلد ٹوٹ جاتی ہیں۔

جب اس سے پتا چلا کہ وہ ایک برا انسان ہے فلرٹ کرتا ہے اور اس جیسی سینکڑوں باتیں تو وہ اسے چھوڑ گئی۔

تم کبھی نہیں بدل سکتے ہو۔تم برے ہو اور ہمیشہ برے رہو گے۔

اس نے جیب سے موبائل نکال کر اس پرانا میسج ایک مرتبہ پھر پڑھا۔

اگر میں برا تھا کیا وہ مجھے بدل نہیں سکتی تھی۔۔؟

توبہ کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا ہے۔ لیکن انسان کبھی توبہ قبول نہیں کرتے۔ وہ معاف کرنا نہیں بس سزا دینا جانتے ہیں۔

سگرٹ کا پیکٹ خالی ہو چکا تھا۔ شام اپنی اداس زلفیں کھولے کائنات پر چلی آ رہی تھی۔ پر اسے کیا فرق پڑھتا تھا۔

اس کے اندر تو دن کی روشنیاں نہیں پہنچ سکتی تھیں اس کے اندر کا سورج تو ہمیشہ کے لئے ڈھل چکا تھا۔

جب وہ اسے یقین دلا رہا تھا کہ وہ بس اسی کا ہے اس کے دل میں وہی ہے اور ہمیشہ رہے گی۔

وہ کہہ رہا تھا کہ وہ برا نہیں ہے۔ اس کا دل اسی کے نام پر دھڑکتا ہے اور وہی اس کے آسمان کے چاند ہے۔

تب وہ نہیں مانی تھی۔ مان لیتی تو کیا ہوتا۔؟

اگر وہ برا تھا اسے اچھائی پر لے آتی۔ اس کے قدموں کو بھلے راستوں پر لیکر چلتی۔

پر وہ تو اسے اکیلا چھوڑ کر چلی گئی۔

اور اسے ایک "کسک" تھما گئی۔

جو ہر لمحہ اسے بے چین رکھتی تھی۔

اس نے الوادعی نظروں سے پارک کو دیکھا اور پھر دل میں خود کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔

اس نے مجھے اس لئے چھوڑا کہ میں ایک برا انسان تھا۔ وہ بھی اس لئے کہ کچھ لوگ مجھے برا سمجھتے تھے۔ شاید محبت سے زیادہ بدگمانی جزبہ مضبوط ہوتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو یقینا اتنی ساری سنی سنائی برائیوں میں سے ایک بڑی سچائی اسے یاد رہتی کہ میں اس محبت کرتا تھا اور کس قدر وافر کرتا تھا۔

اگر میں برا تھا تو کیا میرے لئے اچھائی کا راستہ بند ہو چکا تھا۔؟

اس نے مجھ سے میری اچھائی کی دلیل مانگی، میں برا نہیں ہوں اس کا ثبوت چاہا۔

تو کیا میں اس کے سامنے سورج جیسی روشن دلیلیں رکھتا یا ایسے ثبوت جو نا قابل تردید ہوتے۔۔؟؟۔

میں تو محبت اور اس کے اندر کے یقین کو ایمان جیسا سمجھتا تھا۔

آخر کو کیا ہم اس لئے مسلم بنے کہ خدا نے ہمارے روبرو آکر ہم سے کلام کیا۔

میں نے اپنی زندگی کی مہار اس کے اہتھ میں دی تھی۔ کہا چلاؤ جس راستے پر چلانا ہے۔ لیکن مجھے سیدھے راستے پر رکھنے سے زیادہ اس کے لئے مجھے چھوڑنا آسان تھا۔

ملال یہ نہیں کہ اس نے مجھے چھوڑا۔ دکھ یہ نہیں کہ وہ میری نہیں رہی۔ بس ایک خیال غمزہ کرتا ہے آخر کیوں اس کے لئے مجھے چھوڑنا اتنا آسان ثابت ہوا۔ کیوں محبت جھوٹی قرار دی گئی اور لوگوں کو صادق اور امین قرار دیا گیا۔

بس ایک کسک ہے جو بے چین کرتی ہے۔ اگر میں برا ہی تھا تو میرے اندر کی تاریکی میں جو اس کی محبت نے اچھائی کی شمع روشن کی تھی اسے اس نے کیوں بدگمانی کی ہوا میں بجھنے دیا۔ کیوں اس نے اپنی ہتھیلیوں کو اس ہوا کے آگے ڈھال نہیں بنایا۔

آخر کیوں محبت ہاری اور ایک جھوٹا گمان جیتا۔۔؟

شاید ہر محبت کے انجام میں ایک تکلیف دہ سوال ضرور اٹھتا ہے۔ کہ آخر کیوں۔۔۔۔۔؟

نفرت آلود محبت

وہ تھکے ہوئے قدموں سے چلتا ہوا جب پارک میں داخل ہوا تو وہ اسے اپنے مخصوص بینچ پر بیٹھی ہوئی دکھائی دی۔ کچھ سوچتی ہوئی دونوں ہاتھ گود میں رکھے وہ برہنا ہوتے درخت کی شاخوں سے گرتے پتوں میں نجانے کسے کھوج رہی تھی۔ کائنات زردی مائل لباس پہن چکی تھی اور چار سو خزاں ڈھیرے ڈال رہی تھی۔ وہ خاموشی سے اس کی طرف چلنے لگا اس کے قدموں تلے خزاں رسیدہ پتے شور کرنے لگے۔

قریب پہنچنے پر شہریار نے اس کی بلی کو بھی دیکھ لیا جو اس کے پاؤں میں بیٹھی تھی۔۔ مشی۔۔۔ اس کی دوست اور ہم راز۔۔

شہریار کو بلیلاں اچھی نہیں لگتی تھیں اور یہ بات وہ اچھی طرح جانتی تھی۔۔ اسے یاد آیا کے ایک دفعہ اس نے اس بلی کو کہیں پھینکنے کا کہا تو وہ تین دن تک اس سے ناراض رہی تھی اور جب اس نے کہا کے بلی یا شہریار میں سے کسی ایک کو چنو تو کتنا تڑپی تھی وہ ۔۔ اس وقت اسے پتا چلا تھا وہ لڑکی اندر سے بلی کی طرح ہے کمزور سی ہے۔ اور اس کی آنکھوں میں جھلملاتے وہ خاموش سے آنسو کئی دن تک شور مچاتے رہے تھے۔۔ حالانکہ کے وہ مان چکا تھا کے وہ بلی کو پاس رکھ سکتی ہے۔۔

یہ میری دوست ہے میں اس باتیں کرتی ہوں یہ میری تنہائی کی رفیق ہے۔ یہ اس نے نم آلود لہجے میں کہا تھا۔ وہ ہنس پڑھا تو وہ مزید روہانسی ہونے لگی تھی۔

پر یہ تمہاری باتیں کہاں سمجھتی ہے ناز۔

سمجھتی ہے ۔۔ ہم لڑکیاں بے جان چیزوں سے بھی باتیں کرتی ہیں وہ بے جان چیزیں ہماری باتوں کو سنتی اور سمجھتی ہیں۔ ہماری معصومیت بھری سرگوشیاں ان کو زندہ کر دیتی ہیں۔ جب ہم کھیلتے ہوئے اپنی گڑیا سے باتیں کرتی ہیں تو اس پلاسٹک کی گڑیا میں زندگی کو سانس لیتا ہوا محسوس کرتی ہیں۔

ہمیں بس گوشت پوست کے بنے یہ سانس لیتے انسان کبھی نہیں سمجھ سکتے کیوں کے وہ ہمارے دل کی آواز سننے کے لئے اپنی سماعت کا استعمال کرتے۔ اور اسی کو کافی سمجھتے ہیں۔

ہمیں کانوں سے دل سے سننا ہوتا ہے۔

یادوں کے بیچ چلتے ہوئے وہ اس کے پاس آن بیٹھا۔ اس نے کوئی رد عمل ظاہر نہیں کیا بس پاؤں میں بیٹھی بلی نے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔۔ ان دونوں میں بہت کچھ بدل سا گیا تھا۔

وہ خاموشی سے اپنے ارد گرد گرتے پتوں کو گرتا دیکھ رہے تھے۔۔اور ان سے پیدہ شدہ آواز میں جدائی کا پر سوز گیت سن رہے تھے۔

کیسے گزرے گی خزاں میرے بن

پتے نے شاخ سے روتے ہوئے پوچھا

درخت نے عریاں بدن پر نگاہ ڈالی اور بولا

یوں گزر جائے گی خزاں تیرے بن

جیسے زخم میں درد کی لہر گزر جائے

وہ بڑبڑائی تھی۔

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔۔۔وہ بھی خاموش ہو گئی تھی۔۔شاید پھر درخت اور پتے کی باتیں سننے لگی تھی۔

اس نے جیب سے سگریٹ نکال کر سلگایا۔تب اس نے ایک نظر اپنے پاس بیٹھے ہوئے شخص پر ڈالی۔۔۔اسے سگریٹ سے شدید نفرت تھی,کوئی اور موقعہ ہوتا تو شاید وہ ہمیشہ کی طرح اس کے ہونٹوں سے سگریٹ چھین کر اپنی نازک ایڑیوں تلے مسل دیتی اور اس کے جیبوں کو ٹٹول کر باقی سگریٹوں کا بھی یہی حشر کرتی۔۔اور پھر کہتی وعدہ کرو آیندہ سگریٹ کو چھوئو گے بھی نہیں اور وہ ہمیشہ کی طرح وعدہ کر لیتا جھوٹ موٹ کا اور وہ۔۔۔۔۔ہمیشہ کی طرح اس وعدے پر یقین کر لیتی۔۔

پر ان میں سب کچھ بدل گیا تھا۔۔۔شہریار کے اندر کڑواہٹ گھل سی گئی تھی۔شاید سگریٹ میں تمباکو اچھی کولٹی کا نہیں تھا۔اس نے خود کو تسلی دینا چاہی۔

میں تم سے کبھی بہت محبت کرتی تھی شہریار میری ہنسی میں تم ہنستے تھے۔۔میرے دل کی نرم زمین پر تمہاری محبت کا بیج یوں نشو نما پایا تھا جیسے سورج کی روشنی میں پھول نشو نما پاتے ہیں تمہاری محبت بھی پھولوں جیسی تھی نرم و کومل۔۔لیکن اس کومل احساس نے میرا جذبہ احساس کچل ڈالا میرے دل کی زمین کو بنجر کر دیا اب وہاں کوئی جذبہ نہیں اگتا ہے چاہے میں کتنی بھی کوشش کر لوں۔۔۔میں تم سے نفرت کرتی ہوں شہریار i hate you۔۔ت۔تم ایک برے انسان ہو گے یہ سوچا بھی نہیں تھا اور تمہاری وہ مسکراہٹ جو میری زندگی تھی اب مجھے زہر لگتی ہے۔

مسکراہٹ۔۔۔پر وہ تو مسکرانا چھوڑ چکا تھا۔۔اس نے دل میں سوچا۔

اور آج جب میں تم سے جدا ہونے جا رہی ہوں میرے دامن میں تمہاری دی ہوئی اذیت کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔تم سے نفرت ہی میری محبت کا حاصل ہے۔وہ دور افق پر نظریں جمائے کہہ رہی تھی۔

اور وہ بالکل ساکت تھا جلتا ہوا سگریٹ بجھ چکا تھا اور راکھ گر رہی تھی۔۔اس کے اندر بھی۔

تم۔۔۔تم۔۔۔مجھ۔۔۔۔سے نفرت۔۔۔کرتی ہو۔۔۔اس کے حلق سے بمشکل آواز نکلی تھی۔

مغرب میں زرد کرنے بکھیرنے والا سورج ٹھٹک سا گیا تھا۔۔اور درختوں کی ٹنڈ منڈ شاخیں کچھ اور نیچے کو جھک آئیں تھیں گرتے پتے بھی خاموش ہو گئے تھے۔اور خزاں کے اس ڈھلتے دن کی سانسیں بوجھل سی ہونے لگیں چار سو جدائی کی مہک پھیلنے لگی تو وہ پھر بولی۔

ہاں میں تم سے نفرت کرتی ہوں اور کرتی رہوں گی جب تک زندہ ہوں۔۔۔آج کے بعد میں تمہارے لئے مر گئی ہوں۔

شہریار کے اندر بھی کچھ مرنے لگا تھا۔۔اور جب وہ اس تنہا چھوڑ کر جا رہی تھی تو اس کی بلی کی آنکھوں میں بھی آنسو تھے کیوں کے اس نے دیکھ لیا تھا نفرت کا اظہار کرنے والی اس کی دوست کی آنکھیں نفرت سے انکار کر رہی تھیں۔۔اور پارک سے نکلتے ہوئے جب ان آنکھوں میں ویرانی اور نمی ایک ساتھ نمودار ہوئی تو وہ مچلنے لگی۔۔میاؤں میاؤں۔

میں ٹھیک ہوں مشی بلکل ٹھیک۔۔۔اور میں اس سے نفرت کرتی ہوں شدید نفرت۔۔اس نے بلی کی پیٹھ تسلی امیز انداز تھپکتے ہوئے بے یقین لہجے میں کہا تھا۔

اور تیز قدموں سے چلتی ہوئی اس کی نگاہوں اور دل سے بہت دور کہیں گم ہو گئی۔

وہ بس اس کی نفرت ہی دیکھ پایا تھا۔اور کچھ نہیں۔

(ناول سے اقتباس)

☆☆☆☆

بے زار خواب

تمہاری آنکھوں میں نجانے کتنے خواب سانس لیتے ہیں کیا تم مجھے اپنی آنکھوں کا کوئی خواب کچھ دنوں کے لئے دے سکتی ہو۔۔؟؟۔

خواب دیکھنے کے لئے دوں۔۔وہ چونکی اور پھر ہولے سے ہنس دی۔۔تم تو ایسے کہہ رہے ہو جیسے خواب نہ ہوئے کوئی مووی ہو گئی بھلا خواب بھی دیکھنے کو دیئے جاسکتے ہیں۔۔؟

ہاں کیوں نہیں۔۔اس نے سر ہلایا۔۔

بچپن میں میری ماں مجھے روز ایک خواب دیکھنے کو دیا کرتی تھی۔۔روز رات جب میں ماں کی گود میں سر رکھتا تو اچانک میری ماں کی جھولی خوابوں سے بھر جاتی اور وہ خوابوں کی دیوی بن جاتی۔۔اب تو میرا بچپن اور ماں دونوں ہی کہیں کھو گئے۔ کہی برس بیت گئے اب تو میری آنکھیں خوابوں کا ذائقہ ہی بھول گئی ہیں۔

کیا خوابوں کا بھی کوئی ذائقہ ہوتا ہے؟

۔اس کی آنکھوں میں حیرت کی چڑیا آبیٹھی تھی۔

ہاں خوابوں کا ذائقہ ہوتا ہے۔کچھ خواب میری ماں کے ہاتھ کے بنے پراٹھوں کی طرح لذیذ ہوتے ہیں اور کچھ ہوٹل پر بنے کھانے کی طرح ہوتے ہیں جس کو خلوص اور محبت کا تڑکہ نہیں لگا ہوتا۔۔مائیں تو پیار کی آگ پر کھانا پکاتی ہیں اور اسے چاہتوں کا دم دیتی ہیں۔۔سچ کہوں تو میرے بچپن کے خواب میری ماں کے ہاتھ کے بنے پراٹھوں کی طرح لذیذ ہوتے تھے۔۔جہنیں میں نوالہ نوالہ توڑتا اور کھاتا تھا۔

کیا خواب بھی کھائے جاسکتے ہیں حیرت کی چڑیا اس کی آنکھوں میں بدستور بیٹھی تھی۔۔

کیوں نہیں۔خواب بلکل کھائے جاسکتے ہیں۔کچھ خواب تندور پر پکتی تازہ روٹی کی طرح ہوتے ہیں جسے ہم گرم گرم خوشی سے کھا جاتے ہیں اور کچھ خواب کڑوے ہوتے جیسے جلی ہوئی روٹی۔جو بھوک تو مٹا دیتی ہے پر لذت نہیں دیتی۔

تمہیں پتا ہے تم کتنے عجیب ہو۔۔اور تمہاری یہ باتیں افففف۔۔۔مجھے تو کچھ سمجھ ہی نہیں آتی تمہاری۔۔حیرت کی چڑیا اب اچانک سوچ میں کھو گئی تھی۔

ہاں میں عجیب ہوں۔۔ہر انسان ہی عجیب ہوتا ہے۔۔انسان تو ہے ہی عجائب گھر جس میں حال۔ماضی۔۔اور مستقبل کی

عجیب وغریبوں چیزیں رکھی ہوتی ہیں۔۔

تم میری آنکھوں کا خواب کیوں دیکھنا چاہتے ہو۔۔؟

کیوں کے میرے سارے خواب بے زار سے ہیں۔ کیونکہ وہ حقیقتیں بنتے جارہے ہیں۔۔ خواب جب تک خواب رہیں انہیں دیکھنے میں مزہ آتا ہے۔۔ اور حقیقتیں۔ وہ تلخ ہوتی ہیں۔

میں اپنی آنکھوں کا کون سا خواب تمہیں دوں۔ اس نے جیسے اپنے خوابوں کو ٹٹولتے ہوئے پوچھا۔

وہ خواب جو کبھی حقیقت نہ بن سکا ہو۔۔ جسے دیکھتے ہوئے نیند اور گہری ہو جائے۔

اس سے بہتر نہیں کہ میں تمہیں اپنی آنکھوں کا خواب بنالوں۔۔ آؤ میری آنکھوں کا خواب بن جاؤ۔ اس نے آنکھوں کی خواب نگری میں آنے کی دعوت دی۔

وہ مسکرایا اور بولا۔

میں سراسر بیمار خواب ہوں۔۔ میں تمہارے سارے خوابوں کو بیمار کر دوں گا۔۔ تمہارے سارے خوابوں کا ذائقہ بدل جائیگا۔ جیسے بیمار انسان کے منہ کا ذائقہ کڑوا ہو جاتا ہے۔ اسے میٹھے میں بھی کڑواہٹ آتی ہے۔۔ تو میں تمہاری آنکھوں کو بیمار نہیں کرنا چاہتا پھر تمہاری آنکھیں خواب چکھ نہیں پائیں گی۔

کیا خواب بھی بیمار ہوتے ہیں۔۔ اس کی آنکھوں میں بے یقینی کا کوا آبیٹھا۔

ہاں کیوں کے خواب بھی انسانوں کی طرح سانس لیتے ہیں۔

مجھے تمہارے فلسفہ سمجھ ہی نہیں آتا۔

وہ کچھ الجھی۔

اس میں کوئی فلسفہ نہیں ہے۔

خوابوں کے سلسلوں میں اور ان کی تعبیر کی پیشن گوئیوں میں اور آنکھوں اور خوابوں کے درمیان پرانے تعلقوں میں کوئی فلسفہ نہیں ہے۔

آخر میں یہ باتیں کیسے سمجھوں گیں۔۔؟

اس نے پہلو بدلتے ہوئے پوچھا۔

یہ آسان ہے۔ بس تمہیں کسی روز میرے خوب میں آنا ہو گا۔

بے زار کر دینے والے خوابوں کی بھول بھلیوں میں چل کر تمہیں انداز ہو گا کے بے زار خواب اور خوشگوار خواب کیسے

ہوتے ہیں۔

کیا تم آئو گی۔۔؟؟

وہ چونکی اور کچھ دیر سوچنے کے بعد بولی۔

اگر میں ان بھول بھلیوں میں کھو گئی تو۔۔؟

اس نے نفی میں سر ہلایا اور بولا۔

فکر نہ کرو میں تمہیں بھٹکنے نہیں دوں گا کبھی بھی۔ویسے بھی ان راستوں پر بہت سے خواب رہبر بنے بیٹھے ہیں جو بھٹک جانے والی آنکھوں کو خوابوں کا پتہ بتاتے ہیں۔

تمہاری شکل بھی تو بھٹکی ہوئی آنکھوں جیسی ہی ہے۔

وہ ہنسی۔

میری شکل آنکھوں جیسی کیسے ہو سکتی ہے۔۔؟

ہاں ہو سکتی ہے۔وہ یقین سے بولا۔

آنکھوں کے خدوخال میں ایک خاص قسم کا نقش ہوتا ہے جسے پہچاننا تھوڑا مشکل ضرور ہوتا ہے لیکن اتنا بھی نہیں۔

چلو میں کل شب تمہارے خوابوں میں ضرور آئوں گی۔

وہ جانے کے لئے کھڑی ہوئی تھی۔

خواب نگر میں تمہارا سواگت ہے۔

وہ ہولے سے بولا تھا۔

☆☆☆☆☆

خالی آنکھیں

کہنے لگی تم چاند پر کچھ نہ لکھنا

میں نے پوچھا

کیوں۔؟

بولی

چاند سے آج کل روٹھی ہوئی ہوں میں۔

میں نے اس کی آنکھوں میں تیرتے خوابوں کو دیکھا اور اس کے گالوں پر بوسہ دیتی شریر بالوں کی لٹ سے کو پیچھے سرکایا۔

اس نے میری اس گستاخی پر برا منا کر مجھے گھورا۔

یہ حق صرف میرا ہے۔

میں نے آہستہ سے کہا۔

یہ شراکت مجھے کسی طور گوارہ نہیں ہے۔

وہ کچھ دیر مجھے دیکھتی رہی۔

پھر بولی کھڑکی سے باہر دیکھو کیا بہار میرے آنگن میں خیمہ لگا چکی ہے۔۔؟؟

میں نے اٹھا اور کھڑکی وا کی۔

نرم ہوا کا ایک جھونکہ میرے وجود سے ٹکرا کر اس چہرے پر بکھر گیا۔

اس نے کچھ دیر گہری سانسیں لیں اور بولی۔

ہوا میں پھولوں کی مہک ھے۔۔

لان میں سارے پھول کھل چکے ہیں۔۔

میری بات سن کر اس نے میری طرف ہاتھ بڑایا۔

میں نے کسی پرانے وعدے کی طرح اس کے ہاتھ کو پکڑا۔

وہ اب کھڑکی میں کھڑی باہر دیکھ رہی تھی۔

کتنا خوبصورت منظر ہے نا۔۔۔؟

اس نے پوچھا تو میں نے سر ہلایا اور بولا۔

بے شک یہ صبح اور یہ منظر بے حد خوبصورت ہیں۔

میں باہر جانا چاہتی ہوں۔

اس نے فرمائش کی۔

کچھ دیر بعد وہ لان میں میرے ساتھ تھی۔

سورج نہیں نکلا تھا اس لئے اوس کی بوندیں گھاس اور پھولوں پر ابھی تک سوئی ہوئیں تھیں۔

اس نے اپنے جوتے اتارے اور گھاس پر چلنے لگی۔

اوس کی بوندیں پازیب کی طرح اس کے پاؤں سے لپٹ گئیں۔

سرخ گلابوں کے پاس جا کر وہ رکی۔

کیا تم مجھے کوئی گلاب توڑ کر پیش کرو گے؟

اس نے مسکرا پوچھا۔

میں نے گلاب توڑ کر اسے پیش کیا تو وہ ہنسی اور بولی۔

تم کتنے اچھے ہو۔

وہ گلاب سے خوشبو کشید کر رہی تھی۔

جانے بارش کب ہو۔

اوپر آسمان کو دیکھتے ہوئے شاید اس نے پوچھا تھا۔یا تبصرہ تھا وہ سمجھا نہیں۔

ہو جائے گی۔

میں نے مختصر سا جواب دیا۔

پرندوں کی آوازیں ماحول کے بستر پر ٹہل رہی تھیں۔

میں چاہتی ہوں کہ میں پرندہ بن جاؤں۔

اور بلندیوں سے اڑتے ہوئے ہر خوبصورت منظر دیکھوں۔

اس نے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔

جانے وہ ایسے کتنی ساری خواہشات بنتی رہتی تھی۔

اس نے دل میں سوچا۔

میں خاموش رہا۔

پر تم تو جانتے ہو۔

کہ میرے پاس تو خالی آنکھیں ہیں اور میں کبھی کسی منظر کو نہیں دیکھ سکتی ہوں۔ یہاں تک کہ تمہیں بھی۔

میں اپنی آنکھوں پر تمہارا چہرہ بنتی رہتی ہوں جیسے لڑکیاں گھر کے آنگن میں بیٹھ کر سویٹر بنتی ہیں۔

اس کی آنکھوں کے گوشے نم ہوئے تھے۔

میں نے اسے دیکھا۔

اور پھر ھم دونوں جھولے پر آبیٹھے۔

اس کے ہاتھ کو تھپکتے ہوئے میں مشرق سے ابھرتے سورج کو دیکھ رہا تھا۔

اور وہ خالی آنکھوں سے نجانے کیا کچھ دیکھے جا رہی تھی۔۔۔!!

محبت سانس لیتی ہے

تمہیں پتا ہے ڈائریاں سانس لیتی ہیں

ایک بار برستی بارش کو دیکھتے ہوئے میں نے اس سے کہا تھا اور تب وہ بے تحاشہ ہنسی تھی۔اس کی اس کا ہنسی کا جلترنگ کہی بار میں نے اس کے بعد بھی سنا تھا۔

وہ اتنا ہنسی تھی کہ اس کی جھیل جیسی شفاف آنکھیں پانیوں سے بھر گئی تھیں۔

میں اس وقت ان آنکھوں میں ڈوب گیا تھا۔پتا نہیں اس نے مجھے اپنی آنکھوں میں اترنے کیسے دیا تھا جب کے وہ جانتی تھی میں ڈوب جاؤں گا مجھے تیرنا نہیں آتا ہے

میں جب اس کی گہری آنکھوں میں جھیل میں پھینکے گئے پتھر کی طرح ڈوب گیا تو اس نے اپنے حنائی ہاتھوں سے ان پانیوں کو صاف کیا اور بولی۔

تم پورے پاگل ہو گئے بھلا ڈائریاں کیسے سانس لے سکتی ہیں وہ زندہ تھوڑی نا ہوتی ہیں۔

وہ میرا یقین نہیں کرتی تھی۔اس نے تو تب بھی یقین نہیں کیا تھا جب میں نے کہا تھا کہ محبت سانس لیتی ہے۔

وہ چپ ہو گیا تھا جیسے اس بے یقینی کی وجہ تلاش رہا ہو۔جب خاموشی طویل ہو گئی تو سامنے بیٹھی لڑکی نے بے چینی سے پہلو بدلا اور بولی۔

کیا اس نے کبھی تم پر۔یقین کیا تھا؟۔

وہ چونکا اور اپنی یادوں کی ڈائری کو ٹٹولتے ہوئے بولا۔

اس نے کبھی میرا یقین نہیں کیا تھا۔ایک بار میں نے بارشوں میں اس سے کہا۔۔سنو کبھی کبھی تم ان بارشوں کی طرح مجھ پر برسنے لگتی ہو اور میرا وجود سے تمہاری مہک آنے لگتی ہے۔۔تمہاری مہک۔

میں نے اسے بتایا تھا کہ اس کی۔مہک خشک مٹی پر بارش کی پہلی پھوار سے اٹھنے والی خوشبو جیسی ہے

وہ تب بھی نہیں مانی تھی اپنی چوڑیوں پر چمکتی پانی کی بوندوں کو دیکھتے ہوئے وہ ہنس دی تھی۔۔ہمیشہ کی طرح۔۔

پتا نہیں وہ اتنی بے یقین کیوں تھی۔

میں اسے دیکھ رہا تھا کھڑکی سے باہر با نہیں۔نکالے وہ پھر سے کلائیوں اور چوڑیوں کو بارش میں بگھو رہی تھی اور پانی اس کی

کلائیوں سے نیچے گر رہا تھا۔ قطرہ قطرہ۔۔

میں تب اسے کہا تھا۔۔ تم یونہی بوند بوند میرے اندر گرتی رہتی ہو ٹپ ٹپ۔ پتا نہیں اس نے میری اس بات کو سنا بھی تھا یا نہیں۔۔ اس کے لہجے میں تھکن سمٹ آئی۔

لوگ تمہاری باتوں کا یقین۔ کیوں نہیں کرتے ہیں۔۔۔۔؟۔ لڑکی نے پھر پوچھا تھا۔

کیوں کے وہ ڈائیریاں نہیں لکھتے پہلے میں ان سب باتوں پر یقین نہیں کرتا تھا۔۔ پھر مجھے ایک بار ریلوے سٹیشن پر۔ ایک ڈائری۔ ملی تھی لکڑی کے ٹوٹے بینچ پر ٹوٹی ہوئی ڈائری جس کے اوراق میں بچھڑ جانے کی اذیت کروٹیں بدل رہی تھی میں نے اسے پٹریوں پر پھینک دیا تھا اور ریل نے اسے بری طرح مسل دیا تھا تب میں نے دیکھا اس ڈائری سے خون بہہ رہا ہے۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے پورا سٹیشن خون سے لت پت ہو گیا تھا۔

میں نے بھاگ کر وہ ڈائری اٹھالی اور تب میں جانا کہ ڈائریاں سانس لیتی ہیں۔۔ اس ڈائری نے مرتے مرتے مجھے بتایا کہ وہ ایک لڑکی کی ہے جس نے پورے چاند کی راتوں میں چھت پر بیٹھ کر اسے لکھا تھا اور ڈیر ساری باتیں بھی کیں تھیں۔ وہ لڑکی شہر چھوڑ کر چلی گئی تھی وہ جسے حرفوں میں لکھتی تھی اور جذبوں سے عبارت کرتی تھی اسے چھوڑ کر جا رہی تھی۔۔ وہ سانس لینے۔ کو رکا۔

پر سامنے بیٹھی لڑکی کو یہ وقفہ بھی زیادہ لگا سو وہ بے تابی سے بولی۔

کیا اس ڈائری نے تمہیں بتایا تھا کہ وہ اسے کیوں چھوڑ گئی تھی۔۔۔؟۔

نہیں اس سے پہلے ہی وہ مر گئی تھی اور اس میں لکھے گئے سارے لفظ ایک ایک کر کے مٹ گئے تھے۔

فضا سوگوار ہونے لگی تھی اور چاروں طرف ہوا شور مچانے۔ لگی تھی۔ اس کی آواز ایسی تھی جیسے کوئی ڈائری کے صفحات کو تیزی سے الٹ رہا ہو۔

کیا تمہیں یقین ہے ڈائریاں سانس لیتی ہیں۔۔؟۔ اس نے اپنے سامنے بیٹھی لڑکی سے پوچھا تھا۔

یہ ایک ناقابل یقین بات ہے۔۔ وہ دھیرے سے بولی تھ۔

ڈائریوں میں زندہ لمحے ہوتے ہیں۔ جو چلتے پھرتے ہنستے گاتے ہیں۔۔ وہ لمحے جو زندگی کی کتاب سے گزر جاتے ہیں پر ڈائریوں کے صفحات میں زندہ رہتے ہیں۔ کسی کی یاد اور ڈائریاں ہمیشہ آپ کو ان زندہ لمحوں کا احساس دلاتی ہیں جو کب کے مر چکے ہوتے ہیں۔

وہ کچھ نہیں بولی تھی بس وہاں سے اٹھ گئی تھی۔ پتا۔ نہیں کیوں لوگ اس کی باتوں کا یقین نہیں کرتے تھے وہ کیوں نہیں مانتے تھے کہ محبتیں اور ڈائریاں سانس لیتی ہیں۔۔۔۔!!۔

☆☆☆☆

آنکھوں کی دستک

وہ اپنے بیٹے کو لیکر پرنسپل کے آفس میں داخل ہوا اور پھر جیسے وقت پیچھے کی طرف گھوم گیا، سامنے وہی بیٹھی تھی، کنزہ حیات کالج کے دنوں وہ یاد تو کبھی یاد بنی ہی نہیں تھی۔

وہ نیا نیا کالج میں گیا تھا اور وہ بھی نئی سٹوڈنٹ تھی فرق یہ تھا وہ ایک غریب کا بیٹا تھا اور کہیں سے بھی نیا نہیں لگتا تھا اور وہ شہر کے امیر بیوپاری کی اکلوتی لڑکی جو اجلی ہوئی سہ پہر کی طرح روشن تھی۔

اپنی نک چڑی سہیلیوں کے ساتھ کالج میں گھومتی ہوئی وہ اسے اکثر دکھائی دیتی تھی اور کبھی بار راہداری میں چلتے ہوئے جب ان کا سامنہ ہوتا تو وہ جیسے دیوار میں گھس کر اس کو جانے کا راستہ دیتا ایسے میں اس کی آنکھوں میں جیسے بے گانگی کی دیوار اگ آتی اور وہ خود کو اس میں چنا ہوا محسوس کرنے لگتا۔

وہ کتابوں میں مگن رہنے والا لڑکا تھا اس لئے دوسرے سمسٹر تک وہ اپنی زہانت سے کلاس کے زہین ترین سٹوڈنٹس میں شمار ہونے لگا تھا اور وہ بلکل ویسی کی ویسی تھی گھومتی پھرتی قہقے لگاتی ہنستی مسکرتی کبھی کیفے میں سہیلیوں کو لئے کوئی ٹریٹ دے رہی تو کبھی اپنے گھر کسی پارٹی پر مدعو کرتی ہوئی۔

اور وہ ہمیشہ کی طرح اسے دور سے دیکھتا اور اس کی آنکھوں میں اگی ہوئی دیوار سے نکلنے کی کوشش کرتا پر ہر بار وہ ایک نظر ڈال کر اسے مزید دیوار میں سر کا دیتی۔

وہ اس بات کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا پر ایک دن جب وہ لائبریری میں بیٹھا نوٹس بنا رہا تھا تب وہ اچانک اس کے پاس آ بیٹھی اور بولی۔

کیا آپ میری اسائمنٹس بنانے میں میری مدد کر سکتے ہیں۔؟

اور وہ جیسے خواب میں چلتے ہوئے کسی منظر میں کھو گیا۔ یک ٹک اسے گھورتے ہوئے اسے احساس تک نہیں تھا کہ وہ کس قدر بے واقوف دکھائی دے رہا ہے۔

میں نے کچھ پوچھا ہے، اس نے میز بجاتے ہوئے دوبارہ کہا،

اور وہ یک دم جیسے ہوش میں آیا۔۔ جج جی ہاں۔ وہ خجالت سے اٹک کر بولا۔

گڈ، وہ بے نیازی سے مسکرائی۔

اور پھر اگلے چار دن وہ اس کے ساتھ ساتھ رہا۔

وہ خواب میں قربت کے نجانے کتنے مراحل طے کرتا پر صبح اس کا سامنہ ہوتے ہی جیسے گہری نیند میں چلا جاتا اور جب کوئی چیز پکڑاتے ہوئے اس کے ہاتھ سے کبھی ہاتھ ٹکرا جاتا تو وہ یوں گھبرا جاتا جیسے چوری کرتے ہوئے پکڑا گیا ہو۔

ان چار دنوں میں وہ اسے گھر تک چھوڑنے آتی رہی اور وہ ہمیشہ وہ گاڑی سے اتر کر اسے جاتا دیکھتا رہتا۔

ہر بار اسے لگتا کہ وہ جاتے جاتے پلٹ کر دیکھے گی زیادہ نہیں تو سائیڈ مرر میں تو اسے پیچھے دور ہوتے دیکھے گی۔

پر وہ کبھی نہیں پلٹی تھی اور نا کبھی اس کی نگاہ کبھی شیشے میں دھواں ہوتے اس کے وجود پر پڑی تھی۔

وقت پر لگا کر اڑ گیا اور آج اچانک ہی وہ اسے دکھائی دی تھی۔

آپ ان کے فادر ہیں۔؟ عینک کے پیچھے سے اسے دیکھتے ہوئی بولی اور وہ حال میں لوٹ آیا۔

جی ہاں! اس نے مختصر سا جواب دیا۔

اس نے اس بلکل بھی نہیں پہچانا تھا شناسائی کی ہلکی سی کرن بھی اس کی آنکھوں میں نہیں چمکی تھی

اچھا ہوا آپ آ گئے میں گھر کے لئے نکل رہی تھی۔ وہ پر وقار انداز میں بولی۔

وہ اس کے بیٹے کے متعلق کچھ بتا رہی تھی اور وہ۔ اسے خالی نظروں سے دیکھ رہا تھا کچھ دیر بعد وہ جانے کی اٹھی اور وہ تینوں باہر نکل آئے۔

امید ہے اگلی بار آپ اپنے بیٹے پر بھرپور توجہ دیں اور مجھے کوئی شکایت نہیں ہو گی وہ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے بولی اور اس نے ہمیشہ کی طرح سر ہلا دیا۔

گاڑی سٹارٹ ہوئی اور مڑ کر باہر نکلنے لگی اور اس کے دل میں ایک بار پھر پرانی بوسیدہ خواہش کی بو پھیلی کہ وہ پلٹ کر دیکھے، زیادہ نہیں تو سائیڈ مرر میں اس کے وجود پر ایک نظر ڈالے پر ہمیشہ کی طرح نہ وہ پلٹی نا اس شیشے میں اس کی ذات کو دھواں ہوتے دیکھا۔

اس نے ایک طویل سانس لئے اور آنکھوں کے گوشوں میں اتری نمی کو واپس دھکیل کر بیٹے کو لئے اپنی گاڑی میں بیٹھ گیا۔

اور وہ اگلے چوک کے سگنل پر رکی اپنی آنکھوں میں آئی نمی کو صاف کر رہی تھی۔

وہ شخص پہلے کی طرح آج بھی اس کی نگاہوں کا زاویہ نہیں سمجھ پایا تھا وہ آج بھی شیشے پر نظریں جمائے ہوئے تھا اور اس کی آنکھوں کو دیکھنا بھول گیا تھا۔

آج وہ بھی اس نے رکنے کا نہیں کہا تھا ساتھ چلنے کا نہیں کہا تھا۔

اس کی آنکھوں کی دستک وہ آج بھی نہیں سن سکا تھا کتنا انجان ہے وہ

سگنل کھلا اور وہ گاڑی آگے بڑھ گئی۔

وہ دنوں ہی محبت کی اس پرانی دستک کو سن نہیں پائے تھے جو کہی بار ہوئی تھی اور اس بار یہ دستک گمشدہ دستک بننے والی تھی

شاید ہم سب کے راستے اس لئے الگ ہو جاتے ہیں کہ ہم کسی کی دستک سن نہیں پاتے ہیں۔

وہ دستک جو آنکھیں دیتی ہیں۔

☆☆☆☆

دکھ ایک موسم ہے

اس نے چند لمحے سامنے بیٹھی ہلکی براؤن آنکھوں والی لڑکی کو دیکھا جو بارش میں پوری بھیگ ہوئی تھی پانی کی بوندیں اس کی ریشمی زلفوں پر چڑیوں کی طرح بیٹھی ہوئیں تھیں اور کاٹن کا پھول دار جوڑا بھیگ کر اس کے بدن میں کہیں کھویا ہوا تھا۔

اچھا موسم ہے نالکھاری بابو۔۔۔لہجے میں بہت ساری بارش لئے وہ بولی تو اس کے چہرے پر پپھیلی خشکی میں کہیں جیسے اس کے وجود کی نمی جیسی مسکراہٹ تیری اور وہ بولا۔

یہ دکھ کا موسم ہے بہت اچھا موسم ہے۔

وہ بالوں پر سے بوندوں کی چڑیوں کو جھٹکے سے اڑاتے ہوئے اس کی بات سن کر چونکی اور تھیکی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

ساون کے اس حسین موسم کو تم دکھ کا موسم کہتے ہو جب لڑکیاں بالیاں پہنتی ہیں بارشوں میں بھیگتی ہیں اور پھول خوشی سے جھومتے ہیں۔ آخر تمہیں ہوا کیا ہے جو ایسی باتیں کر کے موسم کا حسن خراب کرتے ہو۔۔۔؟؟؟

وہ اس کے لہجے میں پھیلتی بارش کی بوندوں اور بھیگتے وجود سے اٹھتی تپش میں پھیلتے جذبوں کو کچھ دیر محسوس کرتا رہا پھر اس کے کانوں میں پہنی ہوئی بالیوں کو دیکھتے ہوئے بولا۔

ایک بار میرے گاؤں میں ساون آیا تھا میرے دوست کی محبوبہ نے بالیاں پہنی تھیں اور بارش میں نہائی تھی پھر یوں ہوا کہ گاؤں کی ندی میں میرا دوست نہاتے ہوئے ڈوب گیا تب کے بعد اس لڑکی آنکھوں میں صحرا آباد ہے بارشیں ملکوں شہروں دیہاتوں میں ہر جگہ ہوتی ہیں پر اس کی آنکھوں میں کبھی بارشیں نہیں ہوتی ہیں کوئی نمی نہیں اترتی ہے،،اس لئے میں کہتا ہوں یہ دکھ کا موسم ہے۔

کیا اس واقعہ سے مان لیا جائے کہ یہ دکھ کا موسم ہے بہت ساروں کو خوشیاں بھی ملی ہوں گیں وہ موسم کو دکھ کا موسم ماننے پر راضی نہیں تھی۔

وہ اس کی بات سن کر بولا؛میرے حافظے میں ایسے بہت سارے ساون پڑے ہیں جو دکھ کا موسم بن کر آئے۔ابھی پچھلے ساون میرے گھر کے پاس رہتے ایک فوجی کی شادی ہوئی چند دن بعد اسے اوپر برف زاروں میں بھیج دیا گیا پھر وہ کبھی نہیں لوٹا برف نے اسے نگل لیا اس ماں کی آنکھوں میں بھی دکھ کا موسم ہے خشک دوپہر جیسا۔اور اس کی بیوی کے حنائی ہاتھوں میں بھی دکھ کا موسم جم گیا ہے۔

وہ اداس ہو گئی۔ اور کچھ دیر بارش کو دیکھنے کے بعد بولی۔؛ کیا تم نے کبھی سکھ کا موسم بھی دیکھا ہے ؟

ہاں۔۔اس نے سر ہلایا اور بولا۔ دو دن پہلے سگنل پر پھول بیچنے والے لڑکے سے ایک لڑکی نے سارے پھول زیادہ پیسے دے کر خریدے تھے تب میں وہاں کھڑا دیکھ رہا تھا۔ تب اس بچے کی آنکھوں میں سکھ کا موسم اترا تھا اور اس لڑکی کی آنکھوں میں بارش برسی تھی۔ شاید وہ لڑکی اپنی پسند کی آئسکریم یا چاکلیٹ خریدنے جا رہی تھی۔

وہ اس لڑکی کا سن کر مسکرائی اور بولی۔ لڑکی تھی تبھی ایسا کیا۔ عورت قربانی دینا جانتی ہے۔

اس نے اس کی تر و تازہ مسکراہٹ میں سے کچھ مسکراہٹ اپنوں لبوں پر چپکائی اور بولا۔

قربانی کا بھی اپنا ایک موسم ہوتا ہے جیسے دسمبر جس میں محبتیں قربان ہوتی ہیں۔

تمہارے اندر کون سا موسم ہے۔ وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولی۔۔؟

میرے اندر سارے موسم رہتے ہیں پر وہ فطری قانون کے ساتھ نہیں چلتے ہیں کبھی سرد شاموں میں میرے اندر جون کی تپتی دوپہر ہوتی ہے تو کبھی جون میں میرے اندر برف گرنے لگتی ہے۔ پر شہر میں بھوکے فقیر کی صداؤں، حوالات میں مار کھاتے بے گناہ انسان۔ مسجدوں میں بیٹھے شیطان، ہسپتال کی سیڑھیوں پر دم توڑتے مریض، غریب کے بچے کا خالی بستہ، برسات میں بیوہ کے گھر کی ٹپکتی چھت، کھلونے کو دیکھتی ہوئی غریب کی کم سن بچی جس کی آنکھوں سے بہتے آنسوؤں میں بھی خشک تپتا ہوا دکھ کا موسم ہے۔ یہ سب میرے اندر کے موسم ہیں اس لئے سارے دکھ کے موسم ہیں۔

اس نے سر ہلایا اور بولی کیا میں تمہیں تمہارا موسم بن کر سکھ کی ٹھنڈی چھاؤں دے سکتی ہوں،۔۔؟؟

وہ اس کی بات سن کر کچھ دیر اپنے اندر کے موسموں کو دیکھتا رہا۔ پھر بولا تم ایسا نہیں کر سکتی ہو، تم بہار کا موسم ہو اور میرے اندر ناانصافی، جبر اور بھوک سے بلکتے ہوئے فٹ پاتھ سے کچرا چنتے بچوں کی خزاں ہے تمہارا اور میرا کوئی میل نہیں ہے جاؤ لوٹ جاؤ۔

تم اپنے اندر کے ان موسموں سے اکتاتے نہیں ہو۔۔؟؟

اس نے گویا اس کی بات کو سنا ہی نہیں تھا۔

میں خود سے اکتایا ہوں۔ میرے بس میں ہوتا تو اپنا ساتھ چھوڑ دیتا۔ یہ شہر جبر کا شہر ہے یا ہر سو حسی قہر ڈھاتی ہے۔ اس شہر میں سورج کی روشنیاں تاریکی کو مزید گہرا کر دیتی ہیں۔

یہاں لاشوں کی تجارت کی جاتی ہے۔ بوڑھے باپ جوان بیٹوں کے لاشے اٹھا اٹھا کر نہیں اکتائے تو پھر میں کیسے اپنے اندر پھیلے ان موسموں سے اکتا سکتا ہوں۔۔؟؟

وہ کچھ نہیں بولی بس سوالیہ نظروں سے اسے دیکتی رہی اور شہر بارش کی پھوار تلے بھیگتا رہا۔

خاموشی کا ایک مختصر سا وقفہ آیا پھر وہ کہیں دور بارش میں جھانکتے ہوئے بولا۔

کل میں نے دیکھا کہ گلیوں میں مردہ چوڑیوں اور مرجھائے ہوئے پھولوں کا سیلاب میری آنکھوں میں چلتے خوابوں میں گڈ مڈ ہو گیا تھا۔

پورا شہر ادانائی رکھتا ہے بینائی رکھتا ہے لیکن کسی کو بھی کبھی بصارت سے بصیرت نچوڑنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔

کسی نے بھی بوڑھی آنکھوں میں اولادوں کی بے رخی سے بجھتا ہوا بڑھاپا نہیں دیکھا ہے۔ کوئی کوٹھے پر ناچتی طوائف کی پیروں میں بندھی پائل کی چھنک میں اس کی اندر کی عورت کی چیخیں نہیں سنتا ہے۔

کسی کو غریب کی آنگن میں بیٹھی بیٹیوں کے بالوں میں اترتی مرتی ہوئی زندگی کی سفید لکیر دکھائی نہیں دیتی ہے۔ کوئی شہر میں بھوکے کی فریاد نہیں سنتا ہے۔ کسی کو فرق نہیں پڑتا ہے کہ ماں یونفارم پر لگے تازہ خون کے دھبوں میں بم دھماکے میں جان ہار دیتے والے بچے کی خواہشوں کا نوحہ روز سنتی ہے۔

یہ شہر ہے کہ کوئی مقتل گاہ۔ جہاں ہر وقت ہر لمحہ کوئی نا کوئی جان ہار دیتا ہے کہیں پر خواب قتل ہوتے ہیں تو کہیں پر مسکراہٹیں دفن ہوتی ہیں۔

یہ خطہ جو امن کے پیغام اور محبت کی آفاقی جذبے اور نا ختم ہونے والی قربانیوں کی بازگشت میں پیدا ہوا تھا آج پورا کا پورا خون میں ڈوب چکا ہے۔

تم بتا سکتی ہو کہ میں یہاں کیوں ہوں۔۔؟؟

آخر کیوں اس شہر میں سانس اس قدر تنگ ہو چکی کہ سانس لو تو جان جاتی ہے۔

لوگوں کی سانسیں اس بوڑھے مزدور کی طرح ہو چکی ہیں جو غربت اور سیمنٹ کا بھاری بوجھ اپنے کاندھوں پر اٹھائے کسی بلند و بالا عمارت کی تعمیر میں لگا ہوا۔

تم دھوپ میں چھتری بن سکتی ہو لیکن میری ہی۔ باقی شہر میں بے رحمی کا سورج چمکتا رہے گا اس میں جھلسے ہوئے لوگ مجھے ملامت بھری نظروں سے دیکھتے رہیں گے۔

تمہاری اکثر باتوں کا جواب میرے پاس نہیں ہوتا ہے تم اس قدر الجھے ہوئے سوال کیوں کرتے ہو مجھ سے۔۔؟؟

اس کی آنکھیں سوالوں میں الجھی ہوئی تھیں جیسے کوئی پرندہ کسی جال میں الجھا ہوا ہو۔

وہ کچھ دیر اس کی آنکھوں میں الجھے سوال دیکھتا رہا پھر بات بدلتے ہوئے بولا۔

تمہاری آنکھوں میں نجانے کتنے خواب سانس لیتے ہیں کیا تم مجھے اپنی آنکھوں کا کوئی خواب کچھ دنوں کے لئے دے سکتی ہو ؟

خواب دیکھنے کے لئے دوں۔۔وہ چونکی اور پھر ہولے سے ہنس دی۔۔تم تو ایسے کہہ رہے ہو جیسے خواب نہ ہوئے کوئی مووی ہو گئی بھلا خواب بھی دیکھنے کو دیئے جاسکتے ہیں۔۔

ہاں کیوں نہیں۔۔اس نے سر ہلایا۔۔

بچپن میں میری ماں مجھے روز ایک خواب دیکھنے کو دیا کرتی تھی۔۔روز رات جب میں ماں کی گود میں سر رکھتا تو اچانک میری ماں کی جھولی خوابوں سے بھر جاتی اور وہ خوابوں کی دیوی بن جاتی۔۔اب تو میرا بچپن اور ماں دونوں ہی کہیں کھو گئے۔کئی برس بیت گئے اب تو میری آنکھیں خوابوں کا ذائقہ ہی بھول گئی ہیں۔

کیا خوابوں کا بھی کوئی ذائقہ ہوتا ہے۔۔اس کی آنکھوں میں حیرت کی چڑیا آبیٹھی تھی۔

ہاں خوابوں کا ذائقہ ہوتا ہے۔کچھ خواب میری ماں کے ہاتھ کے بنے پراٹھوں کی طرح لذیذ ہوتے ہیں اور کچھ ہوٹل پر بنے کھانے کی طرح ہوتے ہیں جس کو خلوص اور محبت کا تڑکہ نہیں لگا ہوتا۔۔مائیں تو پیار کی آگ پر کھانا پکاتی ہیں اور اسے چاہتوں کا دم دیتی ہیں۔۔سچ کہوں تو میرے بچپن کے خواب میری ماں کے ہاتھ کے بنے پراٹھوں کی طرح لذیذ ہوتے تھے۔۔جنہیں میں نوالہ نوالہ توڑتا اور کھاتا تھا۔

کیا خواب بھی کھائے جاسکتے ہیں حیرت کی چڑیا اس کی آنکھوں میں بدستور بیٹھی تھ۔

کیوں نہیں۔خواب بلکل کھائے جاسکتے ہیں۔کچھ خواب تندور پر پکتی تازہ روٹی کی طرح ہوتے ہیں جسے ہم گرم گرم خوشی سے کھاجاتے ہیں اور کچھ خواب کڑوے ہوتے جیسے جلی ہوئی روٹی۔جو بھوک تو مٹادیتی ہے پر لذت نہیں دیتی۔

تمہیں پتا ہے تم کتنے عجیب ہو۔۔اور تمہاری یہ باتیں اففف۔۔۔مجھے تو کچھ سمجھ ہی نہیں آتی تمہاری۔حیرت کی چڑیا اب اچانک سوچ میں کھو گئی تھی۔

ہاں میں عجیب ہوں۔۔ہر انسان ہی عجیب ہوتا ہے۔۔انسان تو ہے ہی عجائب گھر جس میں حال۔ماضی۔۔اور مستقبل کی عجیب وغریبوں چیزیں رکھی ہوتی ہیں۔

تم میری آنکھوں کا خواب کیوں دیکھنا چاہتے ہو؟

کیوں کے میرے سارے خواب بے زار سے ہیں۔کیوں کہ وہ حقیقتیں بنتے جارہے ہیں۔۔خواب جب تک خواب رہیں انہیں دیکھنے میں مزہ آتا ہے۔اور حقیقتیں۔وہ تلخ ہوتی ہیں۔

میں اپنی آنکھوں کا کون سا خواب تمہیں دوں۔اس نے جیسے اپنے خوابوں کو ٹٹولتے ہوئے پوچھا۔

وہ خواب جو کبھی حقیقت نہ بن سکا ہو۔۔جسے دیکھتے ہوئے نیند اور گہری ہو جائے۔

اس سے بہتر نہیں کہ میں تمہیں اپنی آنکھوں کا خواب بنالوں۔۔آؤ میری آنکھوں کا خواب بن جاؤ۔اس نے آنکھوں کی خواب نگری میں آنے کی دعوت دی

وہ اس کی دورت پر مسکرایا اور بولا۔

میں سراسر بیمار خواب ہوں۔میں تمہارے سارے خوابوں کو بیمار کر دوں گا۔۔تمہارے سارے خوابوں کا ذائقہ بدل جائیگا۔جیسے بیمار انسان کے منہ کا ذائقہ کڑوا ہو جاتا ہے۔۔اسے میٹھے میں بھی کڑواہٹ آتی ہے۔تو میں تمہاری آنکھوں کو بیمار نہیں کرنا چاہتا پھر تمہاری آنکھیں خواب چکھ نہیں پائیں گی۔

کیا خواب بھی بیمار ہوتے ہیں۔۔اس کی آنکھوں میں بے یقینی کا کوا آ بیٹھا تھا۔

جس طرح اکثر شہر میں بیماری پھیلتی ہے اور لوگ بیمار ہو جاتے ہیں اسی طرح آنکھوں میں بھی کبھی کبھی بیماری پھیل جاتی ہے اور سارے خواب بیمار ہو جاتے ہیں۔ایسا تب ہوتا ہے جب کلائیوں پر چوڑیاں مرتی ہیں اور مزدور کی بیٹی پنکھے سے لٹک کر خود کشی کر لیتی ہے اور ریپ کا شکار ہونے والی لڑکی کی تصویر اخبارات اور ٹی وی کی روشن سکرینوں پر اذیت بن کر پھیل جاتی ہے۔

یا شہر کے کسی گوشے میں سے بوری میں بند لاش ملتی ہے اور اس کی شناخت کے لئے ماں اپنی بوڑھی سال خوردہ آنکھوں پر بوجھ ڈالتی ہے تو سارے خواب یک دم بیمار ہو جاتے ہیں اور کچھ تو ایسے ہی حادثات کے بعد موقع پر ہی دم توڑ دیتے ہیں۔

اس کی آنکھوں میں جیسے کسی متوقع بیمار ہونے والے خواب نے انگڑائی لی اور وہ اداس لہجے میں بولی۔

اگر خواب بیمار ہو جائیں تو کیا ہوتا ہے۔۔؟؟

تو کچھ نہیں ہوتا بس آنکھیں خواب تھوکنے لگتی ہیں اور پھر مر جاتی ہیں۔

کیا مری ہوئی آنکھیں بھی خواب دیکھتی ہیں۔۔؟؟

وہ پھر بولی تھی

خوابوں کا فلسفہ روح سے ہے۔ندی سوکھ بھی جائے تو بہنا نہیں بھولتی۔اسے اچھلنا کودنا شور کرنا ہمیشہ یاد رہتا ہے اسی طرح آنکھیں بھی جب مر جاتی ہیں تو خواب دیکھیں یا نا دیکھیں لیکن خوابوں کا کھویا ہوا لمس ہمیشہ یاد رکھتی ہیں۔ہو سکتا ہے جیسے فلموں اور ڈراموں میں فلیش بیک ہوتا ہے اسی طرح مردہ آنکھیں بھی ماضی میں جا کر ٹوٹے ہوئے خواب دیکھتی ہوں۔

کیا تم بالکل ناامید ہو چکے ہو۔۔؟؟

نہیں ایسا ہرگز نہیں ہے۔

امید انسان کبھی نہیں چھوڑ سکتا ہے جیسے آنکھوں اور خوابوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے ویسے ہی امید اور انسان ایک ساتھ رہتے ہیں کبھی امید غالب آجاتی تو کبھی مغلوب ہو جاتی ہے۔

صحرا ہمیشہ بارش کی امید میں جلتے ہیں۔دریا میں تیرتی مچھلیوں کی پیاس بھی اسی بارش کی امید پر سانس لیتی ہے۔

میں نا امید نہیں ہوں۔مجھے یقین ہے کسی روز اس شہر میں سکھ کا موسم بھی اترے گا،شاید اس وقت میں یا تم اس موسم کو محسوس کرنے کے لئے نا ہوں گے لیکن مجھ جیسے ہزاروں اپنی روح میں اس موسم کا نزول محسوس کریں گے۔

مجھے یقین ہے کبھی نا کبھی اس شہر دکھ میں مسکراہٹوں کا جنم ہو گا، تھکی ہوئی بوسیدہ روحوں پر سکون کی بہار اترے گی اور شہر پھولوں اور خوشبوئوں سے مہک اٹھے گا۔

خدائوں کا خدا سب دیکھ رہا ہے اس کی نگاہیں شہر میں لوگوں کی پسلیوں میں قید دلوں کی محرم ہے۔وہ جانتا ہے کب کس کو کیا دینا ہے اور کتنا دینا ہے۔

مجھے یقین ہے جس روز شہر میں سانس لیتے نفس خدا کو سچے دل پکاریں گے تو خدا ان کی مدد کرے گا اور شہر پر اطمیان نازل کرے گا ابھی لوگوں کا یقین اپنی عقل اور وسائل پر ہے وہ 'کن' کی طاقت کو فراموش کر چکے ہیں جو خدا بادلوں کے ریوڑوں کو ہانکتا ہے وہی اس شہر پر رکے ہوئے دکھ کے موسم کو ہانک کر دور کہیں لے جا سکتا ہے۔

میں اس پر یقین رکھتا ہوں کیا تم بھی رکھتی ہو۔۔؟؟

اس کے چہرے پر چمک پیدا ہوئی اور وہ بولی۔

میں اچھے دنوں کی امید پر ہمیشہ تمہارے ساتھ رہوں گی اور مجھے یقین ہے کہ ہم دونوں ساتھ ساتھ سکھ کے موسم کو سورج کی طرح طلوع ہوتے دیکھیں گے۔

وہ اس کے چہرے پھیلتی امید کی روشنی میں زندہ ہوتے خوابوں کے سائیوں کو دیکھنے لگا اور پھر بارش کو دیکھنے لگا۔

کسی نے سچ ہی کہا تھا آسمان سے بارش نہیں خدا برستا ہے جو کھیتوں، درختوں، پیاسی زمینوں کو سیراب کر دیتا ہے اور کچھ مقدس روحیں اس میں مکمل بھیگ کر خدا کی رحمت کو چومتی ہیں۔

شاید اس بار بارش کے ساتھ خدا نے امیدیں بھی برسائیں تھیں جو مرجھائے دلوں میں سکون پیدا کر رہی تھیں اور اچھے دنوں کی امید پھر برے دنوں کی تلخی پر شک بجالا رہی تھیں۔

میرے شہر خدا کرے تجھ میں جلد بہار اترے ایک ایسی بہار جو کبھی بھی خزاں کی آہٹ کو نا سن سکے۔

اس نے دل میں دعا مانگی اور آسمان کو دیکھنے لگے اس کی دعا بارش کے قطروں میں بھیگتی ہوئی بادلوں سے اوپر آسمان میں گم ہو گئی۔

بارشوں میں دعا قبول ہونے کی روایات پر اسے بھی یقین تھا۔

شہر میں جلد سکھ کا موسم اترے گا

وہ اسے دیکھتے ہوئے بولا تو وہ بھی مسکرائی اور بولی۔

مجھے یقین ہے ایسا جلد ہو گا اور ہم دونوں اس سکھ کے موسم کو دیکھیں گے۔

☆☆☆☆

غم سے نکلی ہوئی مسکراہٹ

''میں خودکشی کرنے جارہاہوں اس نے سامنے بیٹھی بولتی آنکھوں والی لڑکی کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا تو وہ شیر کے آگے بھاگنے والی ہرنی کے آنسو بن گئی اور ڈرے ڈرے انداز میں بولی۔

تمہاری یہی باتیں مجھے خوفزدہ کرتی ہیں مجھے ڈر ہے کسی روز میں تمہیں کھودوں گی تم ایسی باتوں کو بھول کیوں نہیں جاتے ہو؟صفحہ دل پر کسی زندگی کا نام کیوں نہیں تحریر کرتے ہو؟۔

وہ اس کی آنکھوں میں پھیلتی ڈر کی تتلیوں کو دیکھتے ہوئے بولا۔

مجھے خودکشی اپنی طرف بلاتی ہے قبر کے کتبوں پر اپنے نام کی تلاش میں نگاہیں دوڑاتے ہوئے کئی بار میری زبان پر موت کا ذائقہ گھلا ہے مجھے موت لمبی سڑک پر چلنے والی وہ خوبصورت لڑکی لگتی ہے جو بارش میں چھتری گھر بھول گئی ہو اس کے ہاتھ میں پکڑی کتابیں بھیگ رہی ہوں اور اس کے بدن پر پانی کے قطرے رینگتے ہوئے اٹھکیلیاں کرتے ہوئے ہنسے جارہے ہوں۔

مجھے اس لڑکی کی چاہت ہے بس۔

سامنے بیٹھی لڑکی کی آنکھوں نمی پیدا ہونے لگی تھی

کیا تمہیں یقین ہے وہ لڑکی درحقیقت موت ہی ہے۔۔؟؟۔۔آؤ میں بارش میں لمبی سڑک پر بھیگتی ہوں تم دیکھنا میری شکل تمہیں اس جیسی ہی لگی۔وہ اس کے آنکھوں میں زندگی مرے ہوئے پھول پر تتلی کی طرح بیٹھتے ہوئے بولی تو اس نے آنکھیں چرا لیں اور بولا۔

تمہیں بھیگنے کی ضرورت نہیں ہے تم تو اکثر بھیگی ہوئی ہوتی ہو مجھے سمجھ نہیں آتی کہ اتنی بھیگتی کیوں ہو؟۔کیا ساری لڑکیاں یونہی بنا برسات کے برستی ہیں بھیگتی رہتی ہیں۔۔؟؟سنو ایسے مت کیا کرو ہر بار تمہاری آنکھیں مجھے خودکشی کرنے سے روک دیتی ہیں۔پتا نہیں کیوں یہ نمی سارے موسموں کو گیلا کرتی ہے یوں نا کیا کرو۔مجھے اپنی پسند کی موت مرنے دو۔

کیا تمہیں مجھ میں زندگی نہیں دکھائی دیتی ہے۔۔۔؟؟تم کس قدر اذیت پسند ہو شہریار ک۔کیا تمہیں یاد نہیں تم نے ہی مجھے مرنے سے روکا تھا۔؟کیا میں یہ سمجھوں کے اس دن تم نے مجھے اس لئے بچائے تھا کہ مجھے قطرہ قطرہ موت دو۔۔۔؟؟

وہ اس دن کو یاد کرنے لگی تھی جس دن اس کے گھر سے بارات اس کو لئے بنا چلی گئی تھی اس کا باپ جہیز میں گاڑی نہیں دے سکا اس دن اس کے گھر سے اس کی ڈولی کی جگہ باپ کا جنازہ اٹھا تھا تب اس نے فیصلہ لیا تھا کہ اسے مر جانا چاہئے۔

نہیں اس دن مجھے تمہاری رگوں میں رینگتی ہوئی موت کہیں بھی دکھائی نہیں دی تھی اور ویسے بھی وہ مرنے کا موسم نہیں تھا۔اس دن شہر کی بلند عمارت پر سے میں بھی چھلانگ لگانے گیا تھا لیکن مجھے اپنی موت میں تمہاری شراکت پسند نہیں تھی میں اکیلا مرنا چاہتا تھا اس لئے تمہیں روکا تھا۔تب میں نہیں جانتا تھا کہ تم بعد میں آنے والی میری ہر خودکشی میں شریک ہو جاؤ گی۔

اس کی بات پر لڑکی کی آنکھوں میں تاریکی پھیلی اور جب وہ بولی تو اس کی آواز سسکیوں جیسی تھی۔

تو ٹھیک ہے۔چلو اس عمارت سے ساتھ چھلانگ لگاتے ہیں تم اپنی موت مرنا میں اپنی موت مروں گی،میں روز کی موت نہیں مر سکتی اب بس کرتے ہیں۔

اس نے بے چینی سے پہلو بدلا اور سامنے بیٹھی لڑکی کی آنکھوں میں جھانکا۔بولتی آنکھوں میں چار سو سکوت تھا کسی انجانے خوف کے پیش نظر اس نے اپنی آنکھوں کو شدت سے بند کر لیا۔

کچھ دیر وہ بند آنکھوں سے سب دیکھتا رہا پھر آنکھیں کھولتے ہوئے بولا۔

نہیں تم زندگی ہو۔مجھے تم اچھلتی کودتی شور مچاتی کناروں سے سر پٹختی ہوئی زندگی کی پر شور ندی لگتی ہو جس کے ہر بل میں زندگی سانس لیتی ہے میں تمہیں مرنے نہیں دے سکتا ہوں۔

وہ اس کے قریب سرک آئی اور اس کے لہجے سے ٹپکتی ہوئی خوف کی بوندوں کو محسوس کرنے لگی۔

آؤ آج موت کا ذکر چھوڑتے ہیں زندگی کو جیتے ہیں میں تمہیں زندگی کے رنگ میں رنگنے کے لئے ہی تو تمہارے پاس آئی ہوں۔

وہ اس کے اپنے اتنے پاس آنے سے ہمیشہ کی طرح بے چین ہو گیا تھا۔

اس کے بدن سے زندگی کی حرارت اور آنے والے خوبصورت کل کی خوشبو پھوٹ رہی تھی۔

اس نے کچھ دیر سوچا اور پھر مسکرا دیا۔

کوئی ایک تو ضرور ہی ہوتا ہے جس کے لئے ہم جینا چاہتے ہیں یا جو ہمیں زندگی میں جینا سکھاتا ہے۔

اور آپ کو اس کے لئے جینا پڑھتا ہے۔

☆☆☆☆

گڑیا کی آنکھیں اور ادھوری محبت

اس نے اپنی مدھ بھری آنکھوں سے اس کھوئے ہوئے شخص کو دیکھا اور بولی۔

تو تم لکھنا چھوڑ رہے ہو۔۔؟

ہاں میں لکھتے لکھتے اکتا گیا ہوں شاید میں جذبوں کو اظہار کے قالب میں ڈھالنے کی جستجو میں ناکام ٹھہرا ہوں اور یہ بات کل ہی مجھے لفظوں نے بتائی ہے کل شام جب میں لکھنے بیٹھا تو کچھ لفظ سامنے کرسی پر آ بیٹھے اور کہنے لگے کہ ہمیں یوں برباد مت کرو بس کردو میں ان کے خدوخال سے میرے لئے ٹپکتی بے زاری کو دیکھ کر میں نے یہ فیصلہ لیا کہ مجھے اب لکھنا چھوڑ دینا چاہئے ہے۔

لڑکی نے اس کی بات کو سنا اور کچھ دیر سوچنے کے بعد بولی کیا تم اپنی کہانیوں میں کوئی آخری کہانی لکھنا چاہو گے؟۔

وہ چونکا اور اسے یوں دیکھنے لگا جیسے وہ بھی کہانی ہے پھر سر جھٹکتے ہوئے بولا۔

میں اپنی آخری کہانی لکھ چکا ہوں یہ محبت کرنے والوں کی کہانی ہے جس میں ایک لڑکا کسی اور کی محبت سے محبت کرنے لگتا ہے۔اور پھر آخر کار وہ سب کچھ چھوڑ کر چلا جاتا ہے کہیں دور جہاں محبتوں کو رسوائیوں کا ڈر نہیں ہوتا جہاں مسکراہٹوں کے مدفن نہیں کھدتے۔

تو یہ بچھڑ جانے کی داستان ہے جس میں محبت محبت کو چھوڑ دیتی ہے وہ مسکرائی۔

ہاں بلکل، بچھڑ جانے کی راحت کمال کی ہوتی ہے اور بہت ہی وفدار آپ سے کبھی بچھڑتی نہیں ہے،

تو کیا ہے وہ محبت کی آخری کہانی؟ وہ میز پر کہنیوں کے سہارا لیتے ہوئے بولی تو وہ اسے یوں دیکھنے لگا جیسے وہ اس آخری کہانی کا آخری فل سٹاپ ہو۔ پھر بولنے لگا۔

وہ لڑکا جس لڑکی کی محبت کرتا تھا وہ کسی اور کی آنکھوں کا خواب تھی اور اس کی آں کھوں میں کسی اور کا خواب تھا پھر یوں ہوا کہ اس لڑکی کی آنکھوں میں خوب یوں گڈمڈ ہو گئے جیسے جھیل میں گرتی آبشار کی بوندیں۔

اس لڑکے نے جانا کیوں ضروری سمجھا تھا کیا وہ وہ رک کر انتظار نہین کر سکتا تھا اس لڑکی کا جس سے وہ محبت کرتا تھا وہ لڑکی لڑکے کے یوں جانے سے خفا تھی۔

اصل میں اس لڑکے نے اپنی زندگی کا آسمان اس لڑکی کو بنا لیا تھا لیکن ہزار کوششیں کرنے کے باوجود وہ خود کو اس آسمان میں چمکتے ستاروں میں نہیں ٹانک سکا تھا اس نے لڑکی سے کہا تھا کہ وہ اس کی مدد کرے لیکن لڑکی نے انکار دیا تھا۔

اوہ۔لڑکی کے منہ سے بے ساختہ نکلا اور وہ کھڑکی سے باہر یوں نظریں دوڑانے لگی جیسے اس لڑکے کو ڈھونڈ رہی ہو اور پھر گویا اس کی تلاش میں ناکام ہونے کے بعد بولی۔

وہ لڑکی کیسی تھی جس وہ محبت کرتا تھا۔۔؟

وہ لڑکی ایسی تھی جیسے کوئی خوشبو ہو اس لڑکے کا ماننا تھا کہ اس کی زندگی میں چمکتی روشنیوں کے پیچھے اس لڑکی کا ہاتھ تھا جس کے ماتھے سے سورج ابھرتا تھا اور آنکھوں میں چاند ڈوبتا تھا

کیا وہ اس لڑکی کی محبت کا انتظار نہیں کر سکتا تھا۔۔۔؟

اس نے ایک طویل انتظار بھرا سانس لیا اور بولا۔

محبت کا انتظار بہت کہر ناک ہوتا ہے یہ بلکل ایسے ہی جیسے کوئی ریلوے ٹریک پر لیٹ کر ریل کا انتظار کرے۔

کیا وہ لڑکی اس سے محبت کرتی تھی۔۔؟

ہاں بہت زیادہ،وہ محبت کی دھیمی آنچ پر پک رہی تھی جیسے بوڑھیاں چاولوں کو دم دینے کے لئے ہلکی آگ یا انگاروں پر رکھ لیتی ہیں۔

وہ لڑکا اپنی ذات میں ایک الگ قسم کی تنہائی کا شکار تھا ایک ایسی تنہائی جو آسمان کے خلاء کی طرح وسیع اور خاموش تھی۔

وہ لڑکا اس لڑکی سے امید رکھتا تھا کہ وہ اس کی تنہائی دور کر دے گی پر وہ لڑکی اچانک ہی خود اس کی تنہائی بن گئی تھی اور وہ ڈر گیا تھا۔

ایک مرتبہ وہ لڑکا اس لڑکی سے روٹھ گیا تب وہ بے تحاشہ روئی تھی اس کے شبنمی آنسو اس کے گالوں پر یوں ڈھلکے جا رہے تھے جیسے پھولوں پر شبنم کی بوندیں لڑکھڑا رہی ہوں

اور تب بھی اس لڑکے کو یقین نہیں آیا کہ وہ اس کتنی محبت کرتی ہے۔لڑکی نے بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے پوچھا۔

نہیں۔اصل میں وہ ایک بے یقین انسان تھا۔وہ مسکرایا اور سلسلہ کلام جوڑتے ہوئے بولا۔

اس لڑکے نے کہا تمہاری آنکھوں سے بہنے والے آنسوؤں کی شکل ہو بہو ان آنسوؤں کی سی ہے جو پیاز کاٹتے ہوئے تمہاری آنکھوں میں چمکنے لگتے ہیں۔

وہ آنسوؤں کی تمیز کھو چکا تھا۔

سامنے بیٹھی لڑکی نے افسردگی سے اس دیکھا اور اس کی آنکھوں میں جیسے اس لڑکی کے آنسو رسنے لگنے۔پھر۔وہ بولی۔

کیا بس ایک یہی وجہ تھی جو لڑکے کو دور لے گئی۔؟

اس نے لڑکی کی آنکھوں میں نمی کو دیکھا اور پھر ہولے سے بولا۔

نہیں۔ بلکل بھی نہیں بہت سارے وجوہات تھیں جیسے اس لڑکے کو لڑکی کی گڑیا سے شکایت تھی وہ اس دور پھینکنے کا کہتا تھا۔ جب لڑکی وجہ پوچھتی تو وہ کہتا۔

تمہاری آنکھیں آہستہ آہستہ تمہاری گڑیا کی طرح ہوتی جارہی ہیں جن سے کچھ بھی نظر نہیں آتا۔۔ اس لڑکے کو وہم ہونے لگا تھا کہی بار اس لڑکی نے اسے دیکھ کر بھی نہیں دیکھا تھا۔۔ جب وہ اسے چھوڑ کر جارہا تھا تب اس لڑکی نے گڑیا کو توڑ دیا۔۔ اور اس کی آنکھیں کہیں پھینک دی۔ گڑیا کی آنکھیں آج بھی کہیں دور پڑی ہیں اور سوچ رہی ہیں کہ وہ تو سب دیکھتی تھی۔

وہ لڑکا۔ نہیں جانتا تھا کہ گڑیا کی آنکھوں میں لڑکی کی باتیں اور آنسو سانس لیتے تھے۔

اس طرز کی کہی شکائیتیں لڑکے کو تھیں اسی طرح ایک بار وہ لڑکی جب روٹی پکا رہی تھی تو وہ اس سے کہنے لگا۔

تم مجھے روز تازہ نہیں پکاتی ہو ایسا۔ کیوں کرتی ہو؟

شاید۔ اس نے کسی سے سن لیا تھا کہ محبت کی روٹی روزہ تازہ پکائی ہوتی ہے۔

لڑکی۔ کے پاس اس کے سوال کا جواب نہیں تھا۔۔ اس لئے وہ سوچنے لگا کہ لڑکی کو وہ پرانی روٹی کی طرح باسی اور بدمزہ ہی لگتا ہے۔

ان دونوں کے درمیان شیشے کی ایک باریک دیوار حائل تھی جو بہت۔ نازک۔ ہونے کا ساتھ بہت مضبوط بھی تھی۔

اب وہ لڑکا۔ کہاں جارہا ہے سامنے بیٹھی لڑکی۔ نے اس کی اجاڑ آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا تو اپنی آنکھوں کو میں چھپلے خوابوں کے سرکنڈوں سے دامن بچاتے ہوئے بولا۔

وہ لڑکا کسی ایسے لکھنے کی والے کی تلاش میں جارہا ہے جو محبت کی اس کہانی کو دوبارہ سے لکھے تاکے وہ لڑکی اس جیسی بن جائے وہ اس لڑکی کا کردار اپنی مرضی سے لکھوانا چاہتا ہے۔

اور تم کہاں جارہے ہو اس اپنی پلکوں کے غلافی۔ پردے اٹھائے ایسے جیسے کوئی سمندری جہاز اپنے بادبان کھولے۔

وہ اٹھ کھڑا ہوا اور ایک نظر سامنے بیٹھی لڑکی کو دیکھا اور جاتے جاتے بولا۔

میں اس گڑیا کی آنکھیں ڈھونڈنے جارہا۔ ہوں جن میں کچھ خواب میری آنکھوں کے بھی تھے۔ اس کی گڑیا روز مجھ سے اپنی آنکھیں مانگتی ہے اور روز میرے پاس آنکھیں نہیں ہوتی ہیں اب تو وہ گڑیا میری آنکھوں سے ہی سب دیکھنے لگی ہے۔

لڑکی نے ناسمجھنے والے انداز میں سر ہلایا اور اسے جاتا دیکھتی رہی۔۔۔!!

☆☆☆☆

گڑیا کس کی تھی؟

وہ ایک چھوٹی سی لڑکی کو لیکر بازار میں داخل ہوا حلیہ دیکھ کر لگتا تھا کہ یہ وہی جس کی کے پسینے کی بو سے امیروں کی اعلیٰ درجے کی خوشبو بنتی ہے

جس کے گھر کے بجھتے چراغ کے اندھیرے سے شہر کی بلند و بالا عمارتیں روشن ہیں،

اس کی انگلی تھامے اس ننھی سی لڑکی کی آنکھوں میں بازار کی ہر چیز کے لئے حیرت تھی،

اچانک ننھی کے قدم ٹھٹکے اور باپ نے اس کی ہتھیلی کا خالی پن شدت سے محسوس کیا وہ سمجھ گیا تھا کہ اس کی ننھی گڑیا کو کوئی چیز پسند آگئی ہے وہ چونکا، سامنے ہی کھلونے کی بھری ہوئی دوکان تھی اور اس کی بیٹی شوکیس میں سجی ایک گڑیا کو دیکھ رہی تھی۔

وہ جانتا تھا کہ وہ گڑیا خریدنے کی استعاعت نہیں رکھتا لیکن چھوٹی کی آنکھوں جلتی شوق کی شمع نے اسے جیب میں موجود پیسوں کا حساب لگانے پر مجبور کر دیا تھا سو وہ اسے لیکر کھلونوں کی دوکان کی طرف چلنے لگا اور دل ہی دل میں سوچنے لگا کہ وہ اگلے پندرہ دن اگر فیکٹری تک پیدل چلے گا تو شاید وہ گڑیا خرید لے۔ اس کے جیب میں بس آخری چند روپے وہی بچے ہوئے تھے،

یہی سوچتے ہوئے وہ کھلونوں سے بھری دوکان میں داخل ہوا۔ ننھی لڑکی گڑیا کو اپنے اتنے قریب پا کر جوش سے بھر گئی تھی

۔

وہ اسے پاس سلائے گی اس کے بال بنائے گی اور ڈھیر ساری باتیں بھی کرے،، چھوٹی کے دل میں آگے کی ساری باتیں گھومنے لگیں تھیں۔

دوکاندار نے ان کو دونوں کو دیکھا اور پھر مسکرا دیا وہ جانتا تھا گاہک یہاں سے کچھ بھی نہیں خرید سکتا ہے سو بے زار انداز میں ان کی سمت بڑھا۔

یہ گڑیا کتنے کی ہے؟۔ جیسے ہی وہ ان کے قریب پہنچا باپ نے سوال پوچھا۔

آٹھ سو کی۔

آٹھ سو، ننھی کا ہاتھ تھامے ہوئے وہ بڑبڑایا،، اس کے جیب میں ساڑھے پانچ سو روپے پڑھے ہوئے تھے۔

کیا کچھ کم نہیں ہو سکتی۔ ایک بے بسی اس کے لہجے میں گھل سی گئی تھی۔

آخری سات سو دے دیں آپ اس کم ایک روپیا بھی نہیں دوکاندار نے حتمی لہجے میں کہا۔

پانچ سو تک اگر دے دیں تو۔۔ اس ننھی کے ہاتھ کو زور سے پکڑا تھا۔

یہ اتنی کی نہیں ملتی ہے آپ کسی اور دوکان پر دیکھ لیں، دوکاندار نے بے پروائی سے شانے اچکاتے ہوئے کہا۔

ساڑھے پانچ سو دے دیتا۔ باپ کا لہجا تھکن سے ٹوٹ سا گیا تھا۔

چھ سو۔۔یہ فائنل ہے بس۔

چھ سو،،وہ بے بسی سے دوکاندار کو دیکھنے لگا۔۔شاید چھوٹی کی ماں کے پاس کچھ روپے ہوں اس لے آتا اس کی ماں چند قدم دور کسی کے گھر میں بیٹھی برتن مانجھ رہی تھی۔

ابھی وہ یہی سوچ رہا تھا کہ دوکان کے پاس ایک نئے ماڈل کی گاڑی رکی اور شیشے میں ویسی ہی ایک ننھی سی لڑکی نے ہاتھ نکال کر گڑیا کی طرف اشارہ کیا۔

گاڑی کا دروازہ کھلا اور ایک سوٹڈ بوٹڈ آدمی اترا اور دوکان میں داخل ہوا۔

یہ گڑیا کتنے کی ہے؟اسی گڑیا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس نے پوچھا۔

دوکاندار کے چہرے پر چمک پیدا ہوئی اور بولا۔اک ہزار کی۔

اوکے اسے پیک کر دیں۔اس نے جیب سے والٹ نکالا اور پیسے دوکاندار کو تھما دیئے۔

کچھ دیر بعد گڑیا پیک ہو کر گاڑی میں بیٹھی اور چلی گئی

ننھی کی آنکھوں میں حسرت کا دھواں پھیلنے لگا اور بوڑھے باپ کے شانے جھک سے گئے۔

جب وہ دوکان سے باہر نکل رہا تھا سارے کھلونوں کی آنکھوں میں آنسو تھے اور جانے والی گڑیا گاڑیٰ میں بیٹھی سوچ رہی تھی۔

آخر گڑیا کسی تھی۔۔؟

ہتھیلی میں جگنوؤں کا شہر

یہ کہانی ایک محبت زدہ شخص کی ہے جو مجھے پہاڑیوں میں قید ایک جھیل کے کنارے پڑا ہوا ملا تھا۔ جیسے اکثر جھیلوں کے گرد کچھ پتھر ہوتے ویسے ہی وہ شخص پتھروں کے بیچ پتھر ہوا پڑا تھا۔

داستان گُو نے شہر سے آئی اس الجھی ہوئے خوابوں والی لڑکی کو دیکھتے ہوئے کہا تو اس کی آنکھیں جیسے جھیل اور داستان گُو اس کے کنارے کا پتھر بن گیا۔

کیا یہ کہانی اس محبت زدہ شخص نے خود آپ کو سنائی تھی۔۔۔؟؟

اس نے چہرے پر آئی بالوں کی ایک اداس لٹ کو کان کی پیچھے پھنساتے ہوئے سوال پوچھا تو بوڑھا داستان گُو حقے کو منہ سے لگا کر کچھ دیر، گڑ، گڑ کرتا رہا پھر بولا۔

ہاں جب سوات سے آئی لڑکیاں کا گروپ مجھ سے کہانی سن رہا تھا تو وہ پتھروں میں سے اٹھ کر مجھ سے کچھ دور آ بیٹھا تھا جب میں کہانی سنا کر اکیلا ہوا تو وہ خود کو گھسیٹ کر جیسے میرے پاس لایا اور بولا۔

کیا آپ میری کہانی سنیں گیں۔۔؟؟ مجھے آزادی چاہئے کیا آپ مجھے آزاد کر سکتے ہیں۔؟؟

جب میں نے اقرار کیا کہ میں کہانی سن سکتا ہوں تب اس نے اپنی کہانی سنائی۔

داستان گُو نے اتنا کہہ کر پھر حقّے کو منہ سے لگالیا،

لڑکی نے بے چینی سے بوڑھے کی آنکھوں جھانک کر کہانی پڑھنے کی کوشش کی لیکن بوڑھے کی آنکھوں برفیلی پہاڑیوں جیسی سفیدی کے سوا اسے کچھ بھی دکھائی نا دیا۔

وہ کہاں قید تھا اور اس کی کہانی کیسی تھی۔۔؟؟

بوڑھے نے ایک نظر لڑکی کو دیکھا جس کی آنکھیں کسی غیر آباد سٹیشن کے پلیٹ فارم پر لگے لیٹر باکس جیسی ہو رہی تھیں۔

وہ شخص ایک 'جگنوؤں کے ایک شہر' میں قید تھا۔ اور اس کی کہانی کب شروع ہوئی وہ بھی نہیں جانتا تھا۔

لڑکی کی آنکھوں میں کوئی خط جگنو بن کر اڑنے لگا تھا

کوئی جگنوؤں کے شہر سے آزادی کیوں چاہے گا۔۔؟؟ اسے حیرت ہو رہی تھی شائد۔

کبھی کبھی خوشی غم کا بڑا روپ ہوتی ہے لڑکی۔۔

بوڑھے ہلکے سے مسکرایا تو لڑکی کچھ دیر چپ رہنے کے بعد بولی۔

وہ شہر کہاں تھا جس میں وہ قید تھا۔۔؟؟

بوڑھے نے اس کی منہ پر آتی شریر لٹ کو دیکھا اور پھر بولا

وہ شہر ایک لڑکی کی داہنی ہتھیلی میں تھا۔

ہتھیلی میں۔۔؟؟لڑکی چونکی اور پھر چور نظروں سے اپنی ہتھیلی کو دیکھتے ہوئے بولی

میں سمجھی نہیں ہتھیلی میں کوئی شہر کیسے ہو سکتا ہے۔۔؟؟

بوڑھا مسکرایا۔

ہتھیلی میں اک جہاں آباد ہوتا ہے اور کبھی کبھی ہتھیلی میں جہاں آباد ہونے کے باواجود جب کوئی اس کی لکیروں سے نکل جاتا ہے تو خالی ہتھیلی تکلیف دیتی ہے،

مجھے کہانی سنائیں۔لڑکی نے نا سمجھنے والے انداز میں بوڑھے کو دیکھا۔

بوڑھے نے کچھ دیر کہانیاں کی گمشدہ کڑیوں کو ڈھونڈ کر ایک دوسرے سے ملایا اور پھر بولنے لگا۔

اس لڑکے نے مجھے بتایا کہ ایک وہ جس لڑکی سے محبت کرتا تھا وہ آرٹ کی ٹیچر تھی ایک مرتبہ اس نے اپنی ہتھیلی ہر ایک شہر کی بنیاد رکھی سرخ پین کے ساتھ اور بولی یہ ہمارا جگنوؤں کا شہر ہے ہم دونوں اس شہر میں رہیں گیں۔

اس لڑکی کو جگنو بہت پسند تھے اسی لئے اس نے جو شہر رہنے کے لئے بنایا تھا اس میں جگنو ہی جگنو تھے۔

لڑکے نے فوراََ اس کی بات مان لی تھی اس نے خوشی سے اپنا شہر چھوڑا اور لڑکی ی ہتھیلی میں آباد جگنوؤں کے شہر میں رہنے لگا۔

لیکن وہ لڑکی اچانک بدل گئی اور اسے نے اسے چھوڑ دیا۔

اس نے ایسا کیوں کیا۔۔؟؟کہانی سنتی ہوئی لڑکی نے بات ٹوک دی

اس کی دوسری ہتھیلی پر ایک اور شہر آباد ہونے لگا تھا۔جس میں اونچی گاڑیاں،روشن محل نت نئے ملبوسات اور دولت کی چہل پہل تھی۔وہ اپنے بنائے گئے شہر کو بھول گئی اور خود دوسرے شہر میں رہنے چلی گئی۔

وہ لڑکا اب اس شہر میں تنہا ہے وہ چاہتا ہے کوئی اسے رہا کر دے۔

تو کیا آپ نے اسے رہا کر دیا؟

لڑکی نے بوڑھے کی جھریوں سے جھانکتے ہوئے جیسے اس لڑکے کو دیکھ کر سوال پوچھ۔

نہیں بوڑھے نے نفی میں سر ہلایا۔

اسیری جسم کی نہیں تھی روح کی تھی وہ لڑکا اس جگنوؤں کی شہر کی لمبی رات بن چکا تھا جس کی سیاہی میں سارے جگنو چمکتے تھے۔

لڑکی نے افسردگی سے سر جھکا لیا تو بوڑھا دوبارہ بولا۔

اس لئے وہ آزاد نہیں ہو سکتا تھا شاید اسے اسیری راس آگئی تھی محبت عجیب چیز ہے قیدیوں کرتی ہے کہ کوئی پنجرہ نہیں بناتی کسی قید خانے میں قید نہیں کرتی پر پھر بھی ہم قید ہو جاتے ہیں اور سارے زندگی ایک قیدی کی طرح بسر کر دیتے ہیں۔

بس یہی کہانی تھی،

داستان گُو نے کہانی سمیٹ لی تو وہ لڑکی اٹھی اور اپنی خالی ہتھیلی کو دیکھتے ہوئے دور ہوتی چلی گئی

اس نے کہا نہیں تھا کہ اس کی ہتھیلی پر بھی کسی کا نام تھا ایک گھر تھا پر وہ جانتی تھی ہتھیلی میں نام ہونا کوئی معانی نہیں رکھتا ہے جب تک لکیروں میں بھی وہی نام نہ ہو۔

☆☆☆☆

کاغذ میں اگا ہوا گھر

وہ اسے یوں ڈھونڈ لیتی تھی جیسے پرندے اپنے گھونسلوں کو ڈھونڈ لیتے تھے۔۔
آج بھی جب وہ سب سے چھپ کر اس ویران پارک میں پڑے اداس بینچ کی تنہائی دور کرنے بیٹھا تھا تو وہ اسے دور سے اپنی طرف آتی ہوئی دکھائی دی تھی۔
آج مجھے اپنے گھر کا پتا دو گے بس۔ حد ہوتی ہے پچھلے ایک گھنٹے سے تمہیں ڈھونڈ رہی ہوں اور تم اس سڑے ہوئے پارک میں بیٹھے ہو۔
وہ آج غصے میں تھی پر اس کے الفاظ نے اسے ماضی میں پھینک دیا تھا۔ گھر۔۔۔ ان تین حرفوں نے اس کی یادوں کے سارے صفحات الٹ دیئے تھے وہ اس ویران پارک سے بہت دور چلا گیا تھا۔۔ یادوں کے کسے جزیرے پر۔
وہ اسے کے سامنے بیٹھی ہوئی ایک گھر کا ماڈل بنا رہی تھی اور وہ مسکراتی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔
آج وہ۔ یونہی پوچھ بیٹھا تھا کہ ہمارا گھر کیسا ہو گا اور وہ کاغذ پینسل اور ڈھیر سارے رنگ لئے اس کے پاس آ بیٹھی تھی۔
میں تمہیں بتاتی ہوں کہ ہمارا گھر کیسا ہو گا۔ کیا تم گھر بنانے میں میری مدد کرو گے
میز۔ پر کاغذ اور رنگ بکھیرتے ہوئے وہ کسی معصوم بچے کی طرح پر جوش تھی۔
ہاں کیوں نہیں۔۔ وہ اس کی آنکھوں میں گھر کے ذکر پر چمکتی روشنیاں دیکھ کر مسکرا اٹھا تھا۔۔
اور اب وہ گھر بنا رہی تھی۔ یہاں گاڈن ہو گا۔۔ یہ سٹڈی روم یہ بچوں کا کمرا اور یہ ہمارا۔۔ ہمارے کمرے کی کھڑکی سمندر کی طرف کھلے گی۔۔۔ وہ ساتھ ساتھ اسے بتا رہی تھی اور وہ اس کے چہرے پر بکھرتی خوشیوں کو دیکھ رہا تھا۔۔
اب وہ رنگ بھر رہی تھی۔۔ سبز۔۔ آسمانی۔۔ اور وہ اسے رنگ پکڑا رہا تھا۔۔ اور اس کی آنکھوں میں پھیلتے ہزاروں رنگ چرا رہا تھا۔۔ اس کی زندگی کے سارے خوبصورت رنگ اس کی آنکھوں سے چرائے ہوئے تھے۔۔
گھر کا ماڈل مکمل ہو گیا تھا اس نے سارے محبتوں کے رنگ بھرے تھے۔۔۔ اب وہ جانچتی نظروں سے گھر کو دیکھ رہی تھی۔۔
اچھا بنا ہے نا۔۔۔ تھوڑی کے نیچے ایک پینسل ٹکائے ہوئے وہ اس سے مخاطب تھی۔۔۔

ہاں بہت سیا چھا ہے۔۔ اس نے گھر پر نظر ڈالی بلا شبہ یہ بہترین گھر ہے۔۔ تم جو ہو گی اس گھر میں تو یہ اور زیادہ خوبصورت نظر آئے گا وہ شوخی سے مسکرایا تو وہ کھل اٹھی۔

تو آج سے یہ ہمارا گھر ہے ہم اس گھر میں رہیں گے۔۔ اس نے اپنی آنکھوں میں بسے شخص کو کہا اور رنگ سمیٹنے لگی۔۔

کچھ ہی دیر میں وہ سب کچھ اپنی اپنی جگہ رکھ کر جانے کو تیار تھی۔

ہم کل اس کو فریم کروائیں گے۔۔ جاتے جاتے وہ بولی تو اس نے سر ہلا دیا۔۔

پر وہ کل آیا ہی۔ نہیں روڈ کراس کرتے ہوئے غلط سمت سے آنے والی ایک گاڑی نے اسے ہٹ کیا اور وہ وہیں موقع پر جان ہار گئی۔۔ وہ گھر بنانے میں جلدی کر گئی تھی۔۔

کہاں کھو گئے کسی نے اس کا شانہ ہلایا تو وہ حال میں لوٹ آیا۔۔ وہ وہیں پارک میں بیٹھا تھا اکیلے بینچ پر اور سامنے کوئی اور چہرہ تھا

تم نے بتایا نہیں تم کہاں رہتے ہو۔۔۔ وہ پھر پوچھ رہی تھی۔۔

اس کے اندر کچھ آنسو گرے تھے۔۔ وہ اسے کیسے بتاتا کہ وہ برسوں سے اسی کاغذی گھر میں اکیلا رہتا ہے جس کو کسی نے بڑی چاہ سے بنایا تھا۔

میرا کوئی گھر نہیں ہے اپنے اندر گرتے آنسوؤں کو روکتے ہوئے وہ دھیمے سے بولا اور وہاں سے اٹھ آیا

شہر کے دوسرے کنارے پر موجود ایک قبر پر پڑے خشک پھول اس کے اندر گرنے والے آنسوؤں سے بھیگ چکے تھے۔۔۔!!

☆☆☆☆

آنسوؤں اور کہانیوں کا کوئی گھر نہیں ہوتا

وہ تھکے ہوئے قدموں سے چلتا ہوا لکڑی کی بینچ پر اس کے پاس آن بیٹھا اور خشک مرجھائے ہوئے پھولوں پر تتلیوں کی مردہ لمس محسوس کرنے لگا اور اور پاؤں تلے چرمراتے خشک پتوں کی الوداعی سسکیاں اور ننگے پیڑوں کو اپنی بے لباس کا ماتم کرتے ہوئے دیکھتے ہوئے اس نے ایک طویل سانس لیا اور ساتھ بیٹھی لڑکی کو دیکھا جو ہاتھ گود میں رکھے کہیں دور کھوئی ہوئی تھی۔

کچھ دیر دونوں ہی اپنی اپنی سوچوں سے دست و گریبان رہے پھر لڑکی نے بڑھتی ہوئی خاموشی کی پیش نظر سکوت توڑا اور بولی۔

پیڑ جلد بہار اوڑھ لیں گیں پھول تتلیوں کا مردہ لمس پھر سے زندہ پائیں گے پتے زمیں میں مل کر دوبارہ ٹہنیوں پر پیدا ہوں گیں پر تم کہاں ہو گے کیا تم ہمیشہ نہیں رہ سکتے ہو ادھر؟ کیا جدائی طے ہے اس کہانی میں؟

وہ اس کے لہجے میں پھیلتی خزاں کو دیکھتے ہوئے کچھ دیر بہار کی دستک سننے لگا پھر بولا۔

بدلاؤ کائنات کا خمیر ہے سب کچھ بدل جاتا ہے دائمی بس جدائی ہوتی ہے جو ہمیشہ ساتھ رہتی ہے بچھڑ جانے والوں کی باتیں یاد، دلاتی ہے کھوئے ہوئے خوابوں کا ذائقہ آنکھوں کی زبان پر زندہ رکھتی ہے۔ سورج شام تک ساتھ دیتا ہے چاند کی کرنیں صبح سے پہلے مرنا جانتی ہیں پر کوئی انسان دیرپا نہیں ہوتا ہے اسے لوٹ جانا ہوتا ہے واپس جہاں سے وہ چلا ہوتا ہے۔

ایک بلبل پیڑ پر آ بیٹھی تھی اور درخت کی خزاں رسیدہ جلد پر چونچ مارتے ہوئے جیسے ان کو سننے لگی۔

وہ بلبل کی آنکھوں میں سے جھانکتی پیڑ کی آنکھوں کو دیکھنے لگا تب وہ بولی۔

تم کیوں جانا چاہتے ہو۔۔۔؟؟۔ یہاں بہت سے لوگ تمہیں پڑھتے ہیں کچھ سمجھ جاتے ہیں اور کچھ سمجھنے ی کوشش کرتے ہیں تمہاری کہانیاں ان کو وہ انسان یاد دلاتی ہیں جو ان سب کے اندر کہیں دور تنہائی میں چھپا بیٹھا ہے۔ کچھ لوگ اندر کا دکھ تمہاری تحریر میں ڈھونڈ کر خوش ہوتے ہیں ان کے اندر کے انسان کو تم زبان دیتے ہو۔

بلبل لڑکی کی آنکھوں پھیلتی جدائی کو دیکھ کر ڈری اور اڑ گئی اور اس کی پروں کے مدھم سی آواز شاخوں پر بیٹھی رہ گئی۔

اس ی نگاہیں بلبل کے تعاقب میں اجڑے ہوئے باغ سے باہر کو دوڑیں اور وہ بولا

میرے کردار میری کہانیوں میں اب خون تھوکنے لگے ہیں ان کا درد بڑھ رہا ہے۔ ان کو کسی ایسے قاری کی تلاش ہے جو ان کے لبوں پر پھیلی خون کی لکیر کو احساس کے رومال سے پونچھ دے پر ایسا کوئی نہیں ہے میرے کردار مجھ سے روٹھ گئے ہیں۔ ابھی

یہی دیکھو کہ آج جب میں ہمیشہ کے لئے جا رہا ہوں تو کوئی بھی کردار مجھے الوداع کہنے نہیں آیا۔وہ لڑکی بھی نہیں جسے میں ہزار مشکلوں کے بعد اس کے محبوب سے ملوا دیا تھا۔جب میں آ رہا تھا تو مجھے لگا جیسے وہ اپنی چھت پر کھڑی مجھے دیکھ رہی ہے پر وہ میرا وہم تھا چھت میری آنکھوں کی طرح خالی تھی۔

وہ بولی؛تم اپنی کہانی میں اپنا ہی کردار مارنا چاہتے ہو۔۔۔؟

کسی بھی کہانی میں کوئی کردار ایسا نہیں ہوتا جس کے بغیر کہانی مکمل نہ ہو کہانی دوسرے کرداروں کے ساتھ چلتی رہتی ہے۔

کیا تم لوٹو گے پھر سے کوئی کہانی لکھنے۔۔۔؟؟اس کا جواب سن کر وہ پھر سے بولی۔

نہیں اس بار میں خود کہانی بننے جا رہا ہوں ایک نا ختم ہونے والی داستان جس میں میرا کردار ایک مرے ہوئے شخص کا ہوگا جو زندہ نظر آنے کی کوشش کرتا ہے۔

اس نے پہلو بدلا اور بولی۔ہم تمہاری جدائی کو محسوس کرتے رہیں گیں ممکن ہے تم کسی روز لوٹ آؤ گے اور ایک ایسی کہانی لکھو گے جس میں تم ایک زندہ کردار نبھاؤ گے۔

اس کے لہجے میں اداسی کی خوشبو کو سونگھتے ہوئے وہ بولا۔

سب کچھ لوٹ آئے گا تتلیاں،خواب بارشیں،بہار سوئے ہوئے پھول پھر سے جگا دے دی دریچوں پر سے جھانکتی خوبصورت آنکھوں میں خوابوں کے مکان بنیں گے۔لڑکیاں اپنی گڑیا کی شادیاں کریں گیں اور مائیں بچیوں کے کان اور ناک میں سوراخ کر کے بالیاں اور چمکتے ہوئے کوکے پہنائیں گیں۔پر ان سب کی بیچ میں نہیں ہوں گا۔کچھ سفر ایسے ہوتے ہیں جن پر ہمیں بس چلتے رہنا ہوتا ہے ہم چاہ کر بھی نہیں پلٹ سکتے ہیں۔

اب تمہیں کس کا انتظار ہے جو تم بار بار باغ کے ٹوٹے ہوئے دروازے کے اس پار جھانکتے ہو۔۔؟

وہ اس کی نگاہوں میں انتظار دیکھ رہی تھی۔

کچھ کرداروں نے آنے کا وعدہ کیا تھا پر کوئی نہیں آیا۔وہ جانے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا خشک پتے اس کے پاؤں میں منزلوں کی تھکن دیکھنے لگے اور بلبل دوبارہ اس پیڑ پر آ بیٹھی شاید پیڑ جانے کا منظر بلبل کی ننھی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا تھا۔

کیا تم رک نہیں سکتے۔۔؟وہ اس کے ساتھ کھڑی ہوتے ہوئے بولی۔

نہیں۔۔وقت کبھی نہیں رکتا ہے من کی شانتی کے تن کی بھیٹ چڑھانی ہوتی گیان،،دھیان۔۔سے کشید کرنا پڑھتا۔ہر کوئی احساس نہیں نچوڑ سکتا،مجھے جانا ہوگا۔وقت کا دھارا ایک سا نہیں رہتا۔

وہ اسے چھوڑ کر باہر نکل آئے اور جب وہ سٹیشن کی انتظار بھری چھاؤں میں بیٹھا ہوا تھا تب اسے الوداع کہنے بس ایک

کردار آیا تھا وہ بوڑھا جسے اس کے بیٹے نے اولڈ ہاؤس میں چھوڑ دیا تھا۔

وہ کافی دیر اس کے پاس کھڑا رہا تھا، جب وہ ٹرین میں بیٹھا تو کچھ آنسو اس کی آنکھوں سے نکلے تھے انہیں دیکھ کر اس نے آنکھیں موند لیں اور دل میں بولا۔

میں بھی آنسو ہوں،،، اور آنسوؤں کا کوئی ایک گھر نہیں ہوتا۔ اور نا کہانیوں کا۔ الوادع شہر۔۔ تیری کوکھ میں پلتی جانے کتنی کہانیاں اب بھی پیدا ہونے کی منتظر ہیں۔ الوادع شہر۔۔۔ پر کہانیاں کوئی نہیں سمجھتا۔۔۔ کوئی بھی نہیں۔۔۔!!

کوؤں کا شہر

میں کوا بننا چاہتا ہوں۔

اس نے اسے ایسی نظروں سے دیکھا جن میں یقین تھا کہ میں دیوانا ہوں۔ اور پھر وہ یک دم ہی ہنسی اور ہنستی چلی گئی اور وہ اسے ہنستے ہوئے دیکھنے لگا۔

جب وہ ہنستی تو کائنات کی مسکراہٹ نظر آتی تھی۔

ہم اس وقت پارک کے ایک نسبتاََ تنہا گوشے میں بیٹھے ہوئے تھے اس نے باتیں کرتے ہوئے اچانک پوچھا تھا کہ میں کیا بننا چاہتا ہوں جب میں جواب میں کہا

میں کوا بننا چاہتا ہوں۔

تم پاگل ہو گئے ساحر، بھلا کوا بننے کی خواہش بھی کوئی خواہش ہے کبھی تو ڈھنگ کی کسی خواہش کا اظہار کیا کرو۔

ابھی اس دن ایک ڈھنگ کی خواہش کا اظہار تو کیا تھا وہ مسکراتے ہوئے بولا تو وہ سرخ ہو گئی۔

زیادہ فری مت ہوا اچھا، اور میں کسی کوے کے ساتھ زندگی نہیں گزارنے والی ہوں۔ اس نے برا سا منہ بناتے ہوئے ساحر کو آنکھیں دیکھائیں اور وہ ان کالی جھیل نما آنکھوں میں کہیں کھو گیا۔

ہے ہائے۔ اب ایسے مت گھورو مجھے کبھی کوئی خوبصورت لڑکی نہیں دیکھی کیا؟

دیکھی ہیں پر تم جیسی کوئی نہیں ہے تم ایک گلابی لڑکی ہو۔ وہ ابھی تک اسے آنکھوں کے حصار میں سمیٹے ہوئے تھا اور وہ اس کے یوں والہانہ پن سے دیکھنے والے انداز سے ہمیشہ کی طرح پگھلنے لگی تھی۔

اچھا اب بتاؤ کوا بننے کی پیچھے تمہاری کون سی لاجک ہے؟؟

وہ خود میں سمٹتے ہوئے بولی۔

سوچتا ہوں اگر کوا ہوا تو کسی بھی وقت تمہاری دیوار پر بیٹھ جاؤں گا تمہیں دیکھوں گا محسوس کروں گا تمہارے اوپر اڑتا رہوں گا کائیں کائیں کرتا رہوں گا۔

ساحر۔ اس نے مصنوعی غصے سے اسے گھورا۔ اب بتاؤ گے یا میں ناراض ہو جاؤں تم سے۔

اچھا بابا ناراض مت ہو نا بتا تا ہوں نا۔ اس نے ڈرنے کی ایکٹنگ کی تو اور وہ مسکرا دی۔

جانتا تو تھا ہی کہ وہ اس سے کسی بھی حالت میں ناراض نہیں رہ پاتی تھی بس کچھ دیر روٹھ جاتی اور جیسے ہی اس کا میسج

'حریم' آتا وہ ساری ناراضگی بھول جاتی۔ وہ نام ہی ایسے لیتا تھا۔

وہ بے چین نظروں سے اسے دیکھنے لگی تو وہ بولا

میں اس لئے کوا بننا چاہتا کہ

یہ شہر کوؤں کا شہر ہے سب اندر سے کوے ہیں اور باہر سے سفید کبوتر کی طرح اجلے ہوئے ہیں میری خواہش ہے میں اندر اور باہر سے کالا بن جاؤں ایک جیسا۔ کوے مردوں کو نوچتے ہیں لیکن یہاں تو موقع ملنے کی دیر ہے لوگ زندوں کو نوچ کھاتے ہیں۔

وہ شروع سے جذباتی اور حساس تھا وہ جانتی تھی اس کے اندر کا بچا شہر والوں سے نفرت کرتا ہے پر وہ کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ سوائے اسے محبت کی لوری سنانے کے اور اپنے قریب رکھنے کے و

وہ ٹھیک ہی کہتا تھا

یہ شہر کووں کا شہر تھا۔۔۔ اور وہ کوؤں کے کہ شہر میں اکلوتا کبوتر۔!!

☆☆☆☆☆

خواب سا لگے

بات کرتے ہوئے اس کے آنسو گالوں پر بہنے لگے تو اس نے ان کو بے دردی سے پونچھا اور بولا۔

تم نہیں جانتے ہو وہ بچھڑتے ہوئے پلٹی ہی نہیں تھی ایک بار بھی نہیں میری آنکھیں آخری وقت تک اس کے جاتے قدموں تلے پستی رہیں تھیں میں آخری وقت تک اس کے دل پر دستک دیتا رہا تھا پر دروازہ بند رہا۔۔

اس کے بعد میری آنکھیں اسی انتظر میں رہتی ہیں کہ وہ پلٹ کر دیکھے تو سہی سالوں گزرے پر وہ یونہی چل رہی ہے مڑے بنا۔

وہ اچانک مجھے ملا تھا میٹرک میں ہم ساتھ تھے پھر اس کے والد کی دوسرے شہر میں ڈیوٹی لگی اور وہ چلا گیا۔ آج جب ملا تو اس کے پاس محبت کی کہانی تھی جس کا سارے لفظ بھیگے ہوئے تھے۔،

کیا ہوا تھا۔ چائے کا کپ اس کی طرف سرکاتے ہوئے میں تجسس سے پوچھا۔

اسے طوطے کی بات پر یقین آگیا تھا۔ کپ میں گھورتے ہوئے وہ بولا تو میں حیرانگی سے دیکھنے لگا۔

طوطے کا بات پر مطلب۔۔۔؟؟

اس نے تپتی ہوئی چائے کا ایک گھونٹ لیا ہونٹ زرا سے جلے تب وہ اندر کی جلن سے دھیان بٹاتے ہوئے بولا،

اسے برف باری دیکھنے کا بہت شوق تھا اور برف سے کارٹون بنانے کا،

میں اسے لیکر مری چلا گیا بر فباری کے دن تھے چیڑھ، دیوادر کے لمبے درختوں پر برف جمی ہوئی تھی اور وہ اس دن بہت خوش ہر کلو میٹر کے بعد شور کرتی گاڑی رکواتی اور تصویریں لینے لگتی ہم تین دن وہاں رہے ایک دن صبح کے قریب ہلکی بر فباری ہوئی اور وہ جیسے برف کی پری بن گئی۔ میں اس کے پیچھے بھاگ بھاگ کر ہلکان ہو گیا وہ برف کے گالوں کی طرح پورے مری میں گری برف رکنے تک وہ اس کے ہاتھ سرد ہو چکے تھے اور ناک تو بالکل سرخ ہو کر جیسے گرنے والا تھا۔ پر اس کی شوخیوں میں کوئی کم نہیں آئی تھی۔

وہ جیسے دور برف میں لپٹے ہوئے شہر میں چلا گیا تھا۔ چائے کا کپ جمنے لگا تھا اور اس کے چہرے پر برف کی سفیدی پھیل رہی تھی۔

پھر کیا ہوا تھا۔۔۔؟؟

اس کے چپ ہوتے ہی میں نے بے تابی سے پوچھا۔

وہ ایک ثانیے کو میرے سوال پر غور کرتا رہا۔ پھر بولنے لگا۔

اس دن ہم۔ نے لوٹنا تھا اس نے ہوٹل سے کچھ دور ہاتھ سے کاٹون بنایا برف کا میری ٹوپی اس پہنائی اور کہنے لگی یہ تم ہو۔

اور پھر۔ بے تحاشہ ہنسی جب برف نے اس کے قہقے اپنے اندر جذب کر لئے تو ہم ہوٹل چلے آئے سامان پیک کیا باہر نکلے تو ہوٹل سے کچھ دور ہی سڑک کے کنارے اسے طوطے لئے بیٹھا جوتشی دکھائی دیا۔

وہ زبردستی گاڑی رکوا کر اس کے پاس چلی گئی۔ وہ جاننا چاہتی تھی کہ میں اس کی تقدیر میں ہوں یا نہیں۔

طوطے نے جب فال اٹھائی اور جوتشی نے اسے پڑھ کر بتایا کہ میں اس کا نہیں جلد بچھڑ جاؤں گا۔

مجھے یاد ہے یہ سن کر وہ چپ۔ ہو گئی تھی سارے راستے وہ گم صم رہی۔

اتنا بتا کر وہ بھی خاموش ہو گیا۔

چائے کا کپ سرد ہو چکا تھا اور اس کے ہاتھ ہولے ہولے کانپ رہے تھے جیسے وہ مری کی اسے دن میں برف میں کھڑا ہو۔

کچھ دیر خاموشی۔ رہی نا وہ بولا نا میں نے سوال کیا کچھ۔

پتا نہیں طوطے نے ایسا کیوں کیا تھا

وہ زرا سا بول کر۔ پھر چپ ہو گیا۔

خاموشی جب شور کرنے لگی تو میں نے پوچھا۔

پھر کیا ہوا تھا۔۔۔؟

پھر۔۔۔، اس نے خالی نظروں سے مجھے دیکھنے لگا۔

پھر وہ خواب ہو گئی چلی گئی مجھے چھوڑ کر اور میں اس کے بنائے ہوئے برف کے کاٹون کی طرح آہستہ آہستہ پگھلنے لگا۔

وہ ٹھیک ہی کہتی تھی وہ میں ہی تھا آج ان تصاویر کو جب میں دیکھتا ہوں تو تصویر میں سے وہ برف کا بت مسکراتا ہے اور کہتا ہے۔

وقت کی تیز دھوپ بہت کچھ پگھلا دیتی ہے میں تصویر میں تو زندہ۔ ہوں لیکن تم مر گئے ہو۔

اور تب میں بھی مسکرا دیتا ہوں اور سوچتا ہوں

کاش وہ برف کا بت میں ہوتا جس کے پہلو میں آج بھی وہ کھڑی مسکرا رہی ہے۔

وہ خاموش ہو گیا اور میں بھی۔

شاید محبتوں پر زوال کی۔کہانیاں حقیقتیں ہی ہوتی ہیں۔۔۔۔!

☆☆☆☆

خواب کا موسم

رات فضاء میں یوں اڑ رہی تھی جیسے پرندوں کے غول کہیں دور چلنے والی گولی آواز پر گھونسلے اور شاخیں چھوڑ دیتے ہیں شہر کے مرکزی چوک پر جلتے بجھتے سگنل سے کچھ دور لیمپ پوسٹ سے ٹیک لگائے اس بوڑھے کی کوئی نہیں سن رہا تھا جو اپنے لاٹھی کو کو تلوار کی طرح لہراتے ہوئے بار بار ایک جملہ دوہرا رہا تھا۔

"لوگو سنو یہ خواب کا موسم ہے"

پر لوگ نہیں سن رہے تھے اکثریت اسے وہاں چلاتے ہوئے برسوں سے سن رہی تھی اور لوگوں کا ماننا تھا وہ کوئی مجنون ہے۔

اس کے نعرے بدلتے رہتے تھے ایک مہینہ پہلے وہ چلا رہا تھا کہ

'لوگو! سنو یہ خیال کا موسم ہے"

نا تب اسے کسی نے سنا تھا نا آج کوئی سن رہا تھا۔

وہ بھیڑ میں چلتی ہوئی اس کی آواز سن کر چونکی وہ کچھ دن پہلے ہی شہر میں آئی تھی اور اس بوڑھے کو چلا تا روز سنتی تھی آج بھی وہ اسے چلاتا دیکھ کر اک لمحے کو ٹھٹکی اور پھر کچھ سوچتے ہوئے اس بوڑھے کے پاس آ کھڑی ہوئی۔

بوڑھے کی عمر رسیدہ آنکھوں میں اسے دیکھ کر چمک پیدا ہوئی اور بولا۔

تم سنو گی کہ یہ خواب کا موسم ہے۔۔۔؟؟

ہاں! لڑکی نے سر ہلاتے ہوئے دلچسپی سے اسے دیکھا اور پھر بولی، کیا خواب کا بھی کوئی موسم ہوتا ہے؟

کائنات میں لاکھوں موسم بدلتے ہیں پر یہ وقت کی قید میں مقیم انسان ان موسموں کا بدلنا دیکھ نہیں سکتے۔ بوڑھے نے اپنے ارگرد بھاگتے لوگوں پر نظر ڈالتے ہوئے کہا تو سامنے کھڑی لڑکی چہرے پر تجسس کا موسم پھیلا اور وہ بولی۔

میرے پاس وقت ہے آپ مجھے بتائیں، خواب کا موسم کیسا ہوتا ہے۔۔؟؟

بوڑھے نے خوشی سے اسے دیکھا مدتوں بعد کوئی اسے سننے والا تھا۔

شکر ہے تمہارے پاس وقت ہے ورنہ یہ جو بھاگتے جا رہے سب ان کے وقت میں سے برکت اٹھا دی گئی ہے ماہ و سال سکڑے جا رہے ہیں۔ بوڑھا لیمپ پوسٹ کا سہارا لیتے ہوئے بولا۔

لڑکی کچھ نہیں بولی ایک کارزورست ہارن دیتی ہوئی گزری تو بوڑھے نے غصیلی نظروں سے اسے دیکھا اور بولا۔

مجھے شور سے نفرت ہے پر شہر ہے کہ کوئوں کی طرح کائیں کائیں کر رہا جیسے وہ کسی مردار چیز کو دیکھ کر کوے شور کرتے ہیں ویسے یہ شہر بھی شور کرتا ہے۔۔ کبھی کبھی تو مجھے لگتا ہم سب مردار ہیں اور شہر کوا۔

خاموشی میں بڑی راحت چھپی ہے پر کون خاموشی کو نچوڑے اور راحت کشید کرے۔

کیا تم نے کبھی خاموشی کو نچوڑا۔۔؟؟

بوڑھے نے بولتے ہوئے سامنے سوچتی لڑکی سے سوال کیا تو وہ چونکی۔

نہیں۔۔!!

میں نے کبھی ایسا نہیں کیا، خاموشی نچوڑی جاسکتی کیا؟؟

ہاں میری بیوی خاموشی کو نچوڑا کرتی تھی، جیسے وہ کپڑوں کو دھو کر نچوڑ کر برامدے میں لگی تار پر پھیلا دیا کرتی تھی ویسے ہی کبھی کبھی وہ خاموشی کو نچوڑ کر میرے کمرے میں پھیلا دیتی تھی۔ پر اس کے بعد میرے گھر سے خاموشی یوں اڑ گئی جیسے ایک بار تیز ہوا نے صحن کی تار سے سارے کپڑے اڑا دیئے تھے اور وہ پریشانی سے مجھے پکار رہی تھی۔

بوڑھا، بیوی کی یاد آنے پر اداس ہو گیا تھا۔

آپ خوابوں کا کچھ کہہ رہے تھے۔۔؟؟ لڑکی کی آنکھوں میں جیسے بوڑھے کی یاد میں اڑنے والے اس دن کی ہوا اور سارے کپڑے سوالوں کی صورت میں پھیلے ہوئے تھے۔

بوڑھا نے طویل سانس لیے اور لڑکی کے سوال پر کچھ دیر غور کرنے کے بعد بولا۔

بہار اپنے پہلو میں خوابوں کا موسم لیکر آتی ہے خشک ٹہنیوں پر پتے نو خیز بچے کی طرح آنکھیں کھول کر دیکھتے ہیں ویسے ہی خوابوں کا موسم آتا ہے۔

مرجھائی ہوئی آنکھوں پر خوابوں کی بہار آتی ہے۔ آنکھوں کے درختوں پر خوابوں کے پتے اگتے ہیں پر یہ موسم بہت کم آتا ہے۔

کیا یہ موسم ساری آنکھوں پر آتا ہے۔۔؟؟ لڑکی نے بوڑھے ک چہرے پر کروٹیں بدلتی جھریوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

بوڑھے نے لڑکی کی آنکھوں میں خوابوں کے موسم کی آہٹ کو سننے کی کوشش کی اور پھر بولا۔

کچھ آنکھیں درخت سے کٹی ہوئی شاخ کی طرح ہوتی ہیں جن پر خوابوں کا موسم نہیں اترتا ہے اور کچھ دیمک زدہ درخت کی

طرح ہوتی ہیں جس کی جڑیں کاٹ لی گئی ہوں جس کی کچھ شاخوں پر بہار بیٹھی جھولا جھول رہی ہو اور کچھ شاخوں پر خزاں گلے میں پھندا ڈالے لٹک رہی ہو۔

جیسے خواب مختلف ہوتے ویسے ہیں ہی خواب دیکھنے والی آنکھیں ہوتی ہیں۔

بوڑھے کا لہجا خواب آلود ہو گیا تھا۔

آنکھوں اور خوابوں کی کیسی اقسام ہوتی ہیں۔۔؟؟

لڑکی نے بوڑھے کے خاموشی ہوتے ہی پوچھا۔

بوڑھے نے چھڑی پر اپنے گزرے سالوں کو بوجھ ڈالا اور اپنی خالی آنکھوں میں خوابوں کو ترتیب دیتے ہوئے بولا۔

جیسے کھیتوں کو اس موسم کی فصل کے لیئے تیار کیا جاتا ہے ایسے ہی کچھ آنکھیں کچھ خاص خوابوں کی فصل کے لئے تیار کی جاتی ہیں 'خوابوں کا موسم' آنکھیں کی زمین میں اپنے مطلب کے خواب بوتا ہے۔

کچھ آنکھیں خوابوں کی فصل کے لئے بڑی زرخیز ہوتی ہیں اور کچھ سیم و تھور کی زمین جیسی جن میں کچھ نہیں اگتا۔

بوڑھے 'بچے؛جوان 'یتیم بھوکے' بیمار غرض ہر ایک کے اپنے خواب ہوتے ہیں بوڑھی آنکھیں جوانی کے خواب اگاتی ہیں ،کچھ بوڑھی آنکھیں گھونسلوں کے تنکوں جیسی ہوتی ہیں جن میں اڑ جانے والے بچوں کی یادیں پھنسی ہوئی خواب دیکھتی ہیں ایسی آنکھیں شہر کے اولڈ ہائوسس کے کھڑکیوں میں سے جھانکتی ہوئی اکثر دکھائی دیتی ہیں۔

بیمار کھانستے ہوئے مریضوں کی آنکھیں اور خواب بھی الگ ہوتے ہیں ہسپتال میں لیٹے ہوئے مریضوں کی بیمار بوجھل آنکھیں دوائیوں کی بو میں صحت کے خواب دیکھتی ہیں۔

بے چینی اور درد سے افاقے کے لئے جب نرس ان کی نسوں میں نیند کا انجیکشن لگاتی ہے تو کچھ خواب اس انجیکشن میں شامل ہو جاتے ہیں۔

میرے خیال میں نرس نہیں جانتی ہوتی کہ وہ دوائی نہیں بلکہ انجیکشن میں خواب بھر کر مریض کو لگا رہی ہے۔

شہر کے فقیر رات کو بھوک اوڑھے جب سوتے ہیں تو ان کی آنکھوں میں لذید کھانوں کی خوشبو خوابوں کی طرح پھیل جاتی ہے اور ان کی آنکھیں صبح ہونے تک جی بھر کر خواب کھاتی ہیں۔

یتیم کی آنکھیں ماں باپ کے خواب اگاتی ہیں 'بیوہ، سہاگ کے خواب پیدا کرتی ہے۔

بھانت بھانت کے خواب ہوتے ہیں اس لئے تو میں کہتا یہ خوابوں کا موسم ہے۔

بوڑھے خوابوں کی تعاقب میں بہت دور نکل گیا تھا اور سامنے کھڑی کی سڑک پر خوابوں کے پراسرا سائے چلتے ہوئے دیکھ

رہی تھی۔

کیسے پتا چلے گا کہ شہر میں خوابوں کا موسم اترا ہے۔۔؟؟

لڑکی نے پر سوچ انداز میں پوچھا۔

بوڑھے نے فضا میں دور تک نظر ڈالی جیسے خوابوں کو شہر میں اترتے ہوئے دیکھ رہا ہو پھر لڑکی کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔

جب خوابوں کا موسم آتا ہے تو شہر میں خوابوں کی مہک پھیل جاتی ہے بلکل ویسے ہی جب بارش کی پھوار خشک مٹی کو تر کرتی ہے تو اس سے سوندھی سی خوشبو پھوٹنے لگتی۔

کیا خوابوں کی خوشبو بھی ہوتی ہے۔۔؟؟

لڑکی نے بے یقینی سے بوڑھے کو دیکھتے ہوئے سوال پوچھا۔۔؟؟

بوڑھا لڑکی کے بے یقین لہجے پر مسکرایا اور پھر خوابوں کی خوشبو سونگھتے ہوئے بولا۔

خواب پھولوں کی طرح ہوتے ہیں جیسے ہر پھول کی خوشبو مختلف ہوتی ہے ویسے ہی ہر خواب اپنی الگ خوشبو رکھتا ہے۔

جوانی کے خوابوں سے تازہ گلابوں کی مہک آتی ہے اور قیدی کی خوابوں سے آزادی کی خوشبو آتی ہے

بوڑھے کے خواب خوشبو کے بغیر ہوتے شاید ان سے کاغذی پھولوں کی مہک آتی ہو،۔

پر وہ خوشبو ہر ایک نہیں سونگھ سکتا ہے اس خوشبو کو آنکھیں سونگھتی ہیں بس۔وہ آنکھیں جو خوابوں سے محروم ہوتی ہیں یا کر دی جاتی ہیں۔

جوان بیوہ کے خوابوں خوشبو تازہ کھودی ہوئی قبر کی مٹی سے آنے والی خوشبو جیسی ہوتی ہے،

لڑکی قبر کے ذکر نے جھری سی لی اور بولی۔

لوگ آپ کی سنتے کیوں نہیں ہیں۔۔۔؟

آپ کی باتیں خوابوں جیسی ہیں۔پر لوگ ان پر یقین کیوں نہیں کرتے ہیں؟

بوڑھے نے ار گرد نظر ڈالی اور پھر جواباً بولا،۔

یہ خوابواں سے محروم شہر ہے جہاں خواب اترتے ہیں پر آنکھوں میں نہیں اترتے

یہاں کی آنکھوں پر پہرے لگے ہوئے ہیں کسی ان دیکھی قوت نے سارے شہر سے جیسے آنکھیں چھین کر ان کی جگہ ' بلوریں' لگا دی ہیں شیشے کی جو دیکھنے میں تو آنکھیں لگتی ہیں پر ان میں آنکھوں جیسی کوئی بات نہیں ہے۔

یہ دیکھتے ہیں پر نہیں دیکھتے۔خواب تو بہت دور کی بات ہے یہ تو حقیقت دیکھنے سے بھی محروم ہو گئے ہیں۔

کوڑھے کے ڈھیر سے پرانی کھانے کی اشیاء چنتا ہوا بچا اور اس کے پیٹ کی بھوک ان کو نظر نہیں آتی ہے پر غریب کی بیٹی کو دیکھ کر ان کی بھوک چمک اٹھتی ہے۔

اونچی روش عمارتوں کے نیچے پھیلی ہوئی تاریکی میں بیٹھا فقیر ان کو دکھائی نہیں دیتا جس کی پھیلی ہوئی جھولی میں اتنی تاریکی ہوتی ہے کہ ساری کائنات کا منہ سیاہ ہو جائے،

یہ سارے اندھے لوگ ہیں یہ مجھ پر کیسے یقین کریں یہ تو اپنے اندھے پن کو بینائی مان چکے ہیں۔

جائو تم بھی اندھوں کی بھیڑ میں شامل ہو جائو اور خوابوں اور حقیقتوں کو فراموش کر دو۔

بوڑھے کی لہجے میں اب درد تھا۔

لڑکی کچھ دیر وہاں کھڑی رہی جیسے سوچ رہی ہو مزید سوال کرے یا نا کرے۔

پھر جس خاموشی سے بھیڑ میں سے نکل آئی تھی اسی خاموشی سے واپس بھیڑ میں شامل ہو کر گم ہو گئی۔

بوڑھا کچھ دیر دور افق پر جھانکتا رہا پھر اپنے دل میں بولا۔

خواب احساس سے پیدا ہوتے ہیں پر اس شہر کا احساس کب کا مر چکا ہے اس کی آنکھیں کب کی بنجر ہو چکی ہیں۔

پھر شہر میں اترتے خوابوں میں جیسے اس چھوا تو وہ پھر سے پکارنے لگا۔

سنو! شہر میں خوابوں کا موسم ہے

اس کی آواز فضاء کے ڈسٹ بن میں گرتی رہی لوگ چلتے رہے بھاگتے رہے

کچھ دیر وہ یونہی پکارتا رہا پھر خاموش ہو گیا۔

شاید وہ جان گیا تھا یہ شہر آنکھوں کے ساتھ ساتھ کانوں سے بھی محروم ہے۔۔!

☆☆☆☆

ایک محبت جو اگ نہ سکی

کہانی کار نے سگریٹ سلگایا اور سامنے قہوے میں تیرتی الاچی پر نگاہیں جماتے ہوئے بولا
یہ کہانی کچھ عرصہ پہلے کی ہے جب شہر میں محبتوں کا موسم آیا اور پھول لمبی نیند سے انگڑائیاں لیکر بیدار ہونے لگے تھے اور تتلیاں کلیوں سے سرگوشیوں میں گفتگو کرنے لگی تھیں،
کیا محبتوں کا بھی کوئی خاص موسم ہوتا ہے سامنے بیٹھے لڑکا لڑکی میں سے لڑکی بولی
کہانی کار نے راکھ جھاڑی اور اس لڑکی کی گندمی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔
محبت کائنات کا پانچواں موسم ہے جو دلوں اور روحوں پر آتا ہے اس پانچوے موسم میں سردیاں گرمیاں بہار خزاں سب ہوتے ہیں تھوڑی سے زیادتی کے ساتھ میں کہہ سکتا ہوں کہ کائنات کے چاروں موسم درحقیقت ایک محبت کے موسم کی باقیات میں سے ہیں۔
کیسے پتا چلے گا کہ شہر میں محبت کا موسم آیا ہے، اب کے لڑکے نے مسکراتے ہوئے پوچھا تھا۔
وہ لڑکی کے معاملے میں محبت کی کہانیوں میں کم دلچسپی رکھتا تھا صاف لگتا تھا کہ وہ صرف اس لڑکی کی خاطر کہانی سننے آیا تھا۔،
جب دلوں پر جمی برف پگھلنے لگے اور نگاہوں سے بے روخی اترنے لگے اور کاغذی پھولوں سے مہک آنے لگے اور ان پر اصل حقیقی تتلیاں منڈلانے لگیں تو سمجھ لو کہ محبت کا موسم آگیا ہے۔
کہانی گر نے اپنی موٹی عینک سے لڑکے کو دیکھتے ہوئے کہا۔ اور لڑکے نہ سمجھنے والے انداز میں سر ہلا دیا۔ ا
تو اس کہانی کا کیا ہوا تھا جو آپ ہمیں سنانے والے ہیں لڑکی گویا اس کہانی کا کردار بننے والی تھی تبھی بے چین ہو رہی تھی۔
بوڑھے کہانی کار قہوے میں سے جھانکتی کہانی کو دیکھا اور پھر لڑکی کے چہرے پھیلاتی تجسس کی پرچھائیوں کو دیکھنے کو ہوئے بولنے لگا۔
جب شہر میں محبت کا موسم اترا تو ایک محبت پر زوال آیا کسی کی کلائیوں پر کچھ چوڑیاں مر گئیں اور اور کسی کے دل پر بد گمانی کی گہری کائی جم گئی۔ ایک لڑکے نے اپنی محبت کو چھوڑ دیا۔
لڑکے نے بے چینی سے پہلو بدلا اور لڑکی کے چہرے پر بچھڑ جانے کی اداسی نے پاؤں رکھا اور وہ بولی
آخر محبت کے موسم میں محبت کیوں مر گئی اس لڑکے نے ایسا کیوں کیا؟

کہانی کار نے ایک طویل سانس اندر کھینچا اور جیسے ارد گرد پھیلتی جدائی کی خوشبو کو سونگھ رہا ہو اور پھر بولا

کبھی محت کا موسم زوال لاتا ہے۔ اس لڑکے کو اس لڑکی سے بہت ساری شکایتیں تھیں

کون سی شکایتیں لڑکے نے پوچھا اور لڑکی نے شکایت بھری نظروں سے اسے دیکھ اور پھر کہانی گر کو دیکھنے لگی۔

بہت ساری شکایتیں تھیں۔ اس شکایت تھی کہ وہ لڑکی آٹا گوندھتے ہوئے جیسے ہلکا سا آٹا زبان پر لگا کر نمک دیکھتی ویسے اسے کبھی چکھتی نہیں تھی اس لڑکے نے کہی بار کہا وہ محبت کی تھالی میں اسے گوندھے اور چاہت کا مناسب پانی ملا کر اسے چکھے کہ اس کا ذائقہ کیسا ہے پر لڑکی ہمیشہ انکار کر دیتی تھی۔ شاید وہ اسے چکھنے سے ڈرتی تھی کہ کہیں اس کی محبت ذائقہ کڑوا نا نکلے۔

بس یہی وجہ تھی لڑکی نے بے صبری سے پوچھا تھا۔

ایک بڑی وجہ اس لڑکی کی بلی تھی جس کو لڑکا پسند نہیں کرتا تھا۔ اس کا ماننا تھا بلیلاں وفادار نہیں ہوتی ہیں سارے محلے میں گھومتی پھرتی ہیں آوارہ ہوتی ہیں وہ لڑکا اکثر اس لڑکی سے کہتا تھا اس کہیں پھینک آؤ کہ تم بھی اس بلی جیسی نہ ہو جاؤ پر وہ لڑکی بلی سے محبت کرت تھی سو وہ اسے پھینک نہیں پائی تھی۔

آخری کون سی وجہ تھی جس کی وجہ سے لڑکا اسے چھوڑ گیا۔

۔لڑکا کہانی سنتے ہوئے اکتا گیا تھا تبھی انجام جاننا چاہتا تھا۔

کہانی کار نے قہوے کا آخری گھونٹ لیا اور اس میں کہانی کے انجام کا ذائوہ محسوس کرتے ہوئے بولا۔

لڑکی کو پھولوں کا بہت شوق تھا ایک بار لڑکے نے کہا تم مجھے کسی پھول کی طرح اپنے اندر اگاتی نہیں ہوں اس کی کیا وجہ ہے ؟۔ اور لڑکی نے کہا کہ مُن کوشش کرتی ہوں کہ تمہیں اگا سکوں پر تم اگتے ہی نہیں۔ تب اس لڑکے کو پتا چلا کہ وہ اگنے کی صلاحیت سے محروم بیج ہے وہ جاتا تھا کہ لڑخی کے ادر کی زمین محبت کے اگنے کے لئے ساز گار ہے پر وہ نہیں اگا پایا تھا وہ سمجھ گیا تھا ان دونوں کہ بیچ بہت کچھ تھا بس محبت نہیں تھی۔

کیا محبت یونہی اگ آتی ہے ؟۔ لڑکی نے دھیرے سے پوچھا تھا۔

نہیں۔ محبت یونہی نہیں اگتی، جیسے سیم و تھور والی زمین پر اچھے اسے اچھے بیج کو پھینک دیا جائے تو وہ نہیں اگتا۔

تو ہو محبتوں کے موسم میں بچھڑ گئے لڑکا چلا گیا کہیں،

وہ لڑکی کہاں ہے، جسے وہ چھوڑ گیا۔

کہانی کار نے اس لڑکی کی آنکھوں پھیلتی تنہائی کو دیکھا اور بولا۔

وہ لڑکی آج بھی اس لڑکے کو اگانے میں مصروف ہے پر وہ اگا نہیں پا رہی ہے پر وہ کوشش ترک نہیں کرتی امید ہے کسی روز

وہ لڑکا پھر سے اگ آئے اور اس کی آنکھوں کے ویرانے میں کوئی خواب پیدا ہو۔

وہ پھر سے محبتوں کے موسم کا انتظار کر رہی ہے جس میں وہ پھر سے اس لڑکے کو ملے بتائے کہ وہ اس اگا چکی ہے۔

کہانی کار نے کہانی ختم کی اور عینک اتار کر ٹشو سے صاف کرنے لگا اور سامنے بیٹھی لڑکی لڑکے کو دیکھتے ہوئے سوچنے لگی

نجانے یہ کب اگے گا۔۔۔۔۔۔!!

☆☆☆☆

وقت کے بعد

وہ وارڈ میں داخل ہوا اور ہمیشہ کی طرح سارے مریضوں کے چہرے اسے دیکھ کر کھل اٹھے۔ چہرے پر متانت اور شفیق سی مسکراہٹ کھلی ہوئی۔۔ وہ ہمیشہ کی طرح سنجیدہ لگ رہا تھا ہر ایک مریض کے پاس رکتا دوائیوں کا چارٹ دیکھتا اور مریض سے حال پوچھ کر کندھا تھپک کر دوسرے کی طرف چل دیتا وہ کہیں سے بھی ڈاکٹر نہیں لگتا تھا وارڈ کے مریض اس کی محبت اور مہربان رَویئے کی بدولت اسے پسند کرتے تھے اور ان کی آدھی بیماری تو اس کی بے لوث مسکراہٹ سے ہی ختم ہو جاتی تھی۔ وہ واقعی میں مسیحا تھا۔

یہ نئی مریضہ ہیں کار ایکسیڈنٹ میں ان کے چہرہ مسخ ہو گیا ہے سرجری ہو گئی ہے لیکن ان چہرہ پہلے جیسا نہیں رہا وہ بیڈ نمبر دس پر پہنچا تو ساتھ چلتی نرس نے اسے بتایا اور اس نے سر ہلاتے ہوئے پاؤں کی طرف پڑھا ہوا، چارٹ اٹھایا

ماہ روخ وجدان

نام پڑھ کر ایک لمحے کو وہ جیسے ماضی میں چلا گیا لیکن دوسرے ہی لمحے وہ سنبھل گیا اور سر جھٹکتے ہوئے بیڈ پر چادر میں چہرہ چھپائے لڑکی کو دیکھتے ہوئے بولا۔

زندگی حادثات کا مجموعہ ہے بہت دفعہ ہم ان حادثات میں بہت قیمتی چیزیں کھو دیتے ہیں پر ہمیں جینا ہوتا ہے کیوں کے زندگی جینے کے علاوہ ہمارے سامنے کوئی دوسری چوائس نہیں رکھتی۔ ہمیشہ کی طرح نرم آواز میں وہ تسلی دینے لگا تھا

کیا آپ نے بھی کچھ کھویا ہے؟ چادر کی اوٹ سے ایک تھکی ہوئی آواز سنائی دی جس میں شکست کا عنصر نمایا تھا۔

وہ چپ ہو گیا جیسے اس کھوئی ہوئی چیز کی تلاش میں اپنے اندر جھانکنے لگا ہو۔

کچھ دیر بعد بولا۔

زندگی کے راستے پر کھونے پانے کا عمل چلتا رہتا ہے بے فکر رہیں آپ جلد ٹھیک ہو جائیں گیں۔ وہ جانے کے لئے پلٹا اور تب چادر میں لپٹی ہوئی وہ اچانک اٹھ بیٹھی چہرے پر چادر کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے اس کی آنکھیں بھی بمشکل دکھائی دے رہی تھیں

اور ساحل کے نتھنوں سے پلٹتے ہوئے ایک شناسا خوشبو ٹکرائی true love

کسی کی بہت پسندیدہ تھی اس کے قدم جیسے زمین نے جکڑ لئے

وہ پلٹا اور سفید چادر کے اس پار سے جھانکتی آنکھوں میں دیکھا

ماہی۔۔ کسی پرانے جذبے کے زیر اثر اس کے منہ سے بے ساختہ یہ نام نکلا جسے وہ خود سے بھی چھپا کر رکھتا تھا

اور سامنے لڑکی کی آنکھوں میں یادوں کی نمی نے اچانک قدم رکھا۔اس نے چادر کو اتنی شدت سے پکڑا جیسے وہ چادر میں سما جانا چاہتی ہو

ساحل کے قدم لڑکھڑا سے گئے اور اس نے بیڈ کا سہارا لیا۔

وہ لڑکی جو حسن زادی تھی جو حسین چیزوں کی دلدادہ تھی جس نے بہت پہلے اس کی محبت سے محض اس لئے انکار کر دیا تھا کہ وہ اس جیسا حسین نہیں تھا اور آج سالوں بعد وہ اس حال میں اسے ملی تھی کہ قدرت نے اس کا سارا حسن نچوڑ لیا تھا۔کھنکتی ہوئی آواز میں شکست تھی اور پھول جیسا چہرہ اب کانٹوں جیسا کھردرا ہو چکا۔

نرس حیرانگی سے اس کے چہرے پر تاریکی دیکھ رہی تھی۔

آپ ٹھیک ہیں ڈاکٹر۔

ہاں میں ٹھیک ہوں چلو وہ پلٹ گیا تھا نرس نے کاندھے اچکائے اور اس کے پیچھے چل دی۔بیڈ نمبر دس اور وارڈ اس ملاقات کے پیچھے چھپے ہوئے محبت کے ایک ادھورے قصے کو نہیں جانتے تھے۔

وقت بدل جاتا ہے بس لوگ یہ بات وقت بدلنے سے پہلے نہیں سمجھ سکتے جب تک وہ کچھ کھوتے نہیں ٹوٹتے نہیں تب تک ان کو کسی کی یاد نہیں آتی وہ بھول جاتے کہ وقت کا حافظہ کمزور نہیں ہوتا وہ سب یاد رکھتا ہے۔

وہ اسے دور جاتا ہوا دیکھ رہی تھی۔۔وقت وقت کی بات تھی۔کبھی وہ اسے جاتا دیکھ رہا تھا۔۔۔!!

ٹپ،ٹپ

بہت زور کا مینہ برس رہا تھا، شہر کی آنکھوں میں سارے خواب بھیگ چکے تھے، لمبی لمبی سڑکیں ندی نالوں میں تبدیل ہو چکی تھیں، گاڑیاں ہارن پر ہارن دیے جا رہی تھیں اور فٹ پاتھ کے کناروں پر سکڑے سمٹے مفلسوں کی آنکھوں میں سورج چمک رہا تھا۔

وہ چھتری پر کچھ مردہ سوکھے ہوئے پتوں کی لاشیں اٹھائے ہوئے باغ کی خالی مانگ پر چلتے ہوئے اس کے پاس آ کھڑا ہوا تو وہ چونکی، بارش اس کی چھتری کے کناروں سے لپٹی ہوئی ٹپ ٹپ گر رہی تھی۔

اس نے بغور اسے دیکھا بھیگی ہوئی زلفیں انگور کی بیلوں کی طرح ایک دوسرے سے لپٹی ہوئی سرگوشیوں میں بارش کا ترانہ گا رہی تھیں۔ کالی سیاہ آنکھوں میں خوابوں کے تنکے پھنسے ہوئے تھے۔

"موسم خوبصورت ہے۔۔؟؟

وہ دھیمے سے بولا تو تو بارش کی بوندوں پر توجہ رکھے ہوئے وہ اس کی بات سن کر مسکرا دی اور بولی۔

ہاں موسم بڑا ہی خوبصورت ہے۔

پتا نہیں وہ کون سے موسم کا کہہ رہی تھی شہر پر اترنے والے بھیگے ہوئے موسم کی یا اپنے اندر کے موسم کی، وہ سمجھ نہیں پایا تھا۔

وہ خاموش رہا بس،

کچھ دیر یونہی ان کے بیچ بارش چھتریوں پر ٹپ ٹپ کرتی ہوئی گمشدہ دعاؤں کی دستک دیتی رہی پھر جیسے اسے بارش کی ٹپ ٹپ سے کچھ وحشت سی ہوئی تو وہ بولی۔

کب جا رہے ہو۔۔؟؟

کل۔۔

اس نے مختصر سا جواب دیکر کر اس کی آنکھوں میں جھانکا جہاں گزرا ہوا کل انت گنت قربت کے لمحوں کا عکس لئے جھیل پر منجمد برف کی طرح ساکت کھڑا تھا۔

"کیا مجھے یاد رکھو گے۔۔؟

وہ بارش کیے قطروں میں سے جھانکتے بھولے ہوئے لمحوں کو دیکھ رہی تھی۔

سنا ہے وہاں جا کر لوگ سب کچھ بھول جاتے ہیں۔۔؟؟

سوال کو مکمل کرتے ہوئے وہ اس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

وہ کچھ نہیں بولا۔

اس کی خاموشی پر وہ ایک بھیگی ہوئی مسکراہٹ اس کے لبوں پر یوں گری جیسے شیشے پر پانی کی بوندیں لڑکھڑا سی گئی ہوں۔

مجھے جب تم بھول جاؤ گے تو مجھے دکھ تو ہو گا ہی۔ لیکن شاید کبھی کبھی میں یاد آؤں جب بارشیں برسیں۔

شہر کی ساری نمی اس کے لہجے میں اتر آئی تھی۔

ٹپ ٹپ ٹپ، چھتری پر بارش دستک دے رہی تھی۔

میں تمہیں یاد رکھوں گا۔ وہ پیڑوں پر بھیگتی چڑیوں کو دیکھتے ہوئے بولا تو وہ اس کی نگاہوں کے تعاقب میں چڑیوں کی آنکھوں سے جھانکتی جدائی کو دیکھنے لگی۔

میں کال کرتا رہوں گا صرف تین سال کی ہی تو بات ہے۔

تین سال۔۔پتا ہے جب دن میں کئی بار تمہیں نا دیکھوں پچاس بار تمہاری آواز نا سنوں تمہارے میسج نا ملیں تو میرا ایک ایک پل کئی صدیوں پر محیط ہو جاتا ہے مجھے گھڑی کی ٹک ٹک سے وحشت ہونے لگتی ہے۔

اس کے لہجے میں اداسی کی دھوپ پھیل رہی تھی۔

اس نے اک نظر اسے دیکھا۔

آنکھوں کے گوشے مکمل بھیگ چکے تھے پتا نہیں شہر میں ہونے والی بارش اور اس کی آنکھوں میں ایسا کون سا تعلق تھا کہ دونوں ساتھ ہی برستے تھے۔

کیا میں یقین کر لوں کہ تم وہاں جاتے ہی مجھے کال یا ٹیکسٹ کرتے رہا کرو گے۔۔؟؟

اس لے لہجے میں بے یقینی کا دکھ بھرا ہوا تھا۔

وہ کیا کہتا، بس برستی بارش اور ٹہنیوں پر رینگتے پانی کو دیکھتا رہا۔

ایک بات کہوں،،؟؟

جب اسے محسوس ہوا کہ وہ چپ ہے تب وہ دور کہیں دیکھتے ہوئے بولی۔

تمہیں مجھے یاد کبھی کرنے کی ضرورت نہیں کرنی ہوگی جب تم لوٹو گے تو میں تمہیں اسی بینچ پر بیٹھی ملوں گی اور اسی بارش میں تمہارے آنے تک بھیگتی رہوں گی۔

وہ بینچ کہ پاس چھتری لیا کھڑا تھا پانچ سال گزر گئے تھے نیویارک کی تیز رفتار زندگی اور گھنی دھند میں وہ اسے کھو بیٹھا تھا۔

اور اب جب لوٹا تھا تو وہ کہیں بھی نہیں تھی بس بارش تھی تنہا باغ تھا، وہ خاموشی کے ساتھ کہیں دور جا بسی تھی جہاں سے اسے واپس لانا ممکن نہیں تھا۔

وہ آخری ملاقات کو یاد کرتے ہوئے کہی دیر سے وہاں کھڑا تھا۔

خالی بینچ پانچ سالہ جدائی کا غم سینے سے لگائے اسی مقام پر بیٹھا بھیگ رہا تھا۔ اس کی سطح پر ابھی تک اس کا لمس ٹہل رہا تھا، کچھ دور لگے درختوں پر اب بھی اس کی باتیں جھولا جھول رہی تھیں،

اس نے آنکھوں پر آئی نمی کو صاف کیا اور تھکے ہوئے قدموں سے واپس لوٹ گیا۔

چھتری پر بارش گرتی جا رہی تھی۔ ٹپ ٹپ ٹپ۔۔۔۔!!

☆☆☆☆

یادیں اور ملاقات

شہر اچانک موسلا دھار بارش کی لپیٹ آ گیا دھند ڈھلوانوں سے دوڑتی ہوئی شہر کی گلیوں میں داخل ہوئی اور معصوم بچوں کی طرح دواڑنے لگی جو پڑوسی کی گھنٹی بجا کر سرپٹ بھاگ رہے ہوں۔

زمین منہ کھولے بارش کو پینے لگی اور ہوٹل کے شیشے نما بکس میں قید رنگ برنگی مچھلیاں اندر کی پیاس سے نڈھال ہونے لگیں اور ان کے سارے رنگ پیاس کے ان دیکھے گہرے شدید رنگ میں تحلیل ہونے لگے۔

چڑیاں اور مینائیں گڑوں میں جمع ہونے والے پانی میں نہانے لگیں اور فضاء اس نوبیاہتا دلہن کی آنسوؤں کی طرح گیلی ہو گئی جو اچانک بیوگی کی موت مری ہو۔

لوگ موسم کی اس اچانک ہونے والی تبدیلی سے حیران ہو کر ایک دوسرے سے چہ مگوئیاں کرنے لگے اور مائیں دروازوں سے سر باہر نکال کر اپنے بچوں کو بلانے۔ لگیں۔

وہ موسم کی اچانک ہونے والی اس تبدیلی پر ہولے سے مسکراتا ہوا کیفے میں داخل ہوا۔

شہر کے آخری کنارے پر کھڑا یہ کیفے محبت کرنے والوں کی آماجگاہ تھا۔

اس نے دروازے پر کھڑے ہو کر میزوں پر نظر ڈالی اور کھڑکی کے پاس والی میز پر ایک لڑکی اور لڑکے کو بیٹھا دیکھا کر پھر دھیمے سے مسکرایا اور اپنی کلائی پر بندھی گھڑی کو دیکھنے لگا۔

ویٹر نے اسے دیکھ لیا کچھ میزیں خالی تھیں پر وہ جانتا تھا کہ وہ دو گھنٹے کھڑا رہے گا لیکن کوفی اسی ٹیبل پر بیٹھ کر پئے گا۔

سوئیاں گھڑی کے مدار میں گردش کرتی رہیں اور ٹھیک پونے گھنٹے کے بعد ٹیبل سے لڑکا لڑکی اٹھے تو خاموشی سے اس ٹیبل پر جا بیٹھا۔

ویٹر نے اس سے پوچھے بنا ہی ایک کپ ہارڈ بلیک کافی اس کے سامنے رکھی اور تب وہ ہمیشہ کی طرح بولا۔ ایک اور لائیٹ نیس کیفے ویٹر نے سر ہلایا اور دوسرا مگ اس کے ٹیبل پر رکھا اس نے وہ سامنے والی خالی کرسی کی طرف سرکا دیا جیسے سامنے بھی کوئی بیٹھا ہو۔

بوڑھا ویٹر جو پچھلے پندرہ سال سے کیفے میں تھا اور کتنے ہی محبتوں کو ملتے بچھڑتے دیکھ چکا آج بھی اسے یوں گم صم وہاں بیٹھا دیکھ کر آبدیدہ ہو گیا تھا۔

دو سال پہلے ہی وہ لڑکا ایک خوبصورت لڑکی کے ساتھ وہاں آنے لگا تھا چھ مہینے وہ لگاتار وہاں آتے رہے بارش دھوپ ہڑتال جو بھی ہو وہ لازمی آتے تھے۔۔وہ لڑکی اس لڑکے سے ہزاروں باتیں کرتی اسے ڈانٹتی بات کرتے ہوئے تھوڑی سی آنکھیں گھماتی اور لڑکے کے سلکی بالوں کو ماتھے پر آتے دیکھ کر بات کرتے ہوئے رک کر اس کی پیشانی سے پیچھے ہٹ کرتی اور پھر بولنے لگتی۔

اور پھر وہ لڑکا تنہا آنے لگا اسی وقت پر اسی انداز میں بارش دھوپ چاہے جیسا بھی موسم ہو وہ آتا اسی میز پر بیٹھتا اتنا ہی ٹائم بیٹھتا اسی طرح دو کپ کوفی آڈر کرتا اور پھر خاموشی سے چلا جاتا۔

بوڑھا جان گیا تھا کہ وہ لڑکی بچھڑ گئی ہے شاید وہ اس ٹیبل پر روزانا اس کا انتظار کرتا تھا۔

آج بھی وہ وہاں بیٹھا تھا اور بوڑھا دوسری ٹیبلز پر کوفی سرو کرتے ہوئے اس دیکھ رہا تھا۔

پھر اس نے کاؤنٹر کے پاس کھڑے لڑکے کو لوگوں کو دیکھنے کا اشارہ کیا اور خود اس کے پاس آبیٹھا۔

بیٹا اور کتنا انتظار کروگے بھول جاؤ تمہارے آگے لمبی زندگی پڑھی ہے۔

وہ چونکا اور پھر یوں مسکرا دیا جیسے کسی نے کہا ہو

افففف تمہارے سلکی بال ان کو جتنا بھی پیچھے کرتی پھر پیشانی پر ہی آتے مجھے چڑ ہیں ان سے تم گنجے ہو جاؤنا۔

وہ یہاں روز مجھے ملتی ہے۔اس ٹیبل پر آج بھی اس کی باتیں مجھ سے باتیں کرتی ہیں اس کی آنکھیں آج بھی اس کھڑکی سڑک پر چلتی گاڑیوں اور لوگوں کو دیکھتی ہیں منظروں میں سے اس کی آنکھیں جھانکتی ہیں کوفی مگ پر اس کے ہونٹوں کا لمس آج بھی زندہ ہے سانس لیتا ہے

میں اسے نہیں بھول سکتا۔

وہ کہاں گئی؟ بوڑھا بولا۔

وہ۔۔بس چلی گئی اچانک ہی حالانکہ اس نے مجھے بتا دیا تھا کہ وہ جلد ہی مجھ سے بچھڑ جائے گی۔پتا نہیں کیوں اسے بچھڑ جانے کی جلدی تھی۔میں سمجھ نہیں پایا کہ اس نے اپنی زندگی اتنی کم کیوں لکھوائی تھی۔بولتے ہوئے۔میں تو یہاں اس کے ساتھ کے لمحے جینے آتا ہوں جو کب کے مر چکے ہیں

اس کی آنکھوں کے گوشے کسی کی یاد کی بارش میں بھیگ گئے تھے۔

بوڑھے نے خاموشی سے اسے دیکھا اور وہاں سے اٹھ آیا۔

وہ کچھ دیر وہاں بیٹھا رہا اور پھر کاؤنٹر پر دو کپ کوفی کے پیسے ادا کر کے باہر نکل آیا۔

بارش مسلسل برس رہی تھی اور دھند نے شہر کو اپنی آغوش میں بھینچ لیا تھا۔

وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے سڑک پر نکل آیا کسی کے سوچوں میں کھوئے ہوئے اسے اندازہ نہیں تھا کہ وہ سڑک کے بیچ آچکا ہے۔

پھر کسی گاڑی کے پہیئے زور سے چرچرائے اور دور کیفے میں پڑے اس کے کوفی کے کپ نے ایک طویل سسکی لی۔

ٹیبل پر زندہ لمحوں نے آخری ہچکی لی اور کھڑکی میں سے جھانکتی آنکھوں سے کچھ آنسو شیشے پر بہہ گئے۔

تب بارش کی بوندیں نے اس کے سرد جسم کو آخری بوسہ دیا۔

انجام کار وہ بھی اس سفر پر روانا ہو گیا جس کی منزل پر کوئی اس کی راہ دیکھ رہا تھا۔۔۔!

☆☆☆☆☆

فٹ پاتھ کا خواب

وہ پتا نہیں کب کیسے اور کیوں اس کے خواب میں چلا گیا وہ نہیں جانتا تھا پر اب اس فرق نہیں پڑھتا تھا وہ شہر کی مرکزی سڑک کے کنارے فٹ پاتھ کے خواب میں تھا۔

پہلے تو اسے یقین نہیں آیا کہ وہ کسی بے جان چیز کے خواب میں ہے جو سیمنٹ ریت اور سریئے کی امیزش سے تیار کیا گیا جب وہ بن رہا تھا کہی بار گاڑی میں سے اسے بنتا دیکھا تھا اور اس نے کبھی سوچ ہی نہیں تھا کہ وہ بچھائے جانے والے فٹ پاتھ کے خواب میں آئے۔

سڑک کے کنارے لگے لیمپ پوسٹ سے مری مری سی روشنی اس فٹ پاتھ تک آتی تھی بلکے آتی ہی نہیں بس کچھ دور کھڑے دس منزلہ پلازے کی چکا چوند کر دینے والی روشنیوں کا عکس تھا جو فٹ پاتھ کی سرد اور بے جان جلد پر ننگے پائوں ٹہلنے لگتا تھا ورنہ اس پر ہمیشہ تاریکی چھائی رہتی تھی اور دن کی روشنی میں بھی اس پر تاریکی کا احساس غالب رہتا تھا۔

وہ اب ایک اندھیرے خواب میں تھا جس کسی گہری کھائی میں اوندھے منہ گرا جا رہا ہو۔

یہ میں کہاں ہوں؟ وہ چلایا تو اس کی آواز جیسے خلا میں تھرا کر رہ گئی۔

تم میرے خواب میں ہو۔ ایک بھرائی ہوئی آواز سنائی دی اور اس نے آواز کا مخرج ڈھونڈنے کی کوشش کی لیکن ایسا لگتا تھا جیسے وہ آواز اس کے اندر سے نکلی ہو۔

اور تم کون ہو؟ اس نے تاریکی میں کسی کو مخاطب کیا۔

میں شہر کا فٹ پاتھ ہوں۔۔ کوئی جیسے سسکا تھا۔

اس نے تاریکی کی چادر میں آنکھیں پھاڑ کر دیکھا اور پھر بولا۔

کیا فٹ پاتھ بھی خواب دیکھتے ہیں۔۔۔؟؟

اس کی آواز سناٹے میں تیرتی ہوئی تاریکی میں کہیں کھو گئی تو جواب میں وہی آواز گونجی۔

اس شہر کے سارے فٹ پاتھ خواب دیکھتے ہیں خواب سوچتے ہیں اور خواب پیدا کرتے ہیں کیوں کہ وہ صدیوں سے یونہی سوئے ہوئے ہیں۔

پر وہ بے جان چیزوں کا خوابوں سے کیا تعلق۔ اب اس کے حواس بحال ہو چکے تھے تبھی عقل کی بات کر رہا تھا۔

تم انسانوں سے یہ فٹ پاتھ زیادہ بہتر ہیں ان کو بے جان مت سمجھو آئو تمہیں دیکھاتا ہوں کہ ہم خواب کیسے دیکھتے ہیں۔

وہی آواز دوبارہ سنائی دی اور ساتھ ہی اس کی نگاہوں سے تاریکی چھٹ گئی اب وہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔

ایک مریل بوڑھا جس کی پسلیاں ایک دوسرے میں پیوست تھیں فٹ پاتھ پر لیٹا ہوا تھا گتے کے بہت سارے ڈبوں کو نیچے بچھائے اور بوسیدہ کمبل اوڑھے جو دسمبر کی اس خوفناک سردی کو روکنے کے بجائے اس اپنے اندر کھینچ رہا تھا۔اس منظر کو دیکھ اس کے وجود میں جیسے سردی سراہیت کرنے لگی۔

دیکھو۔۔دسمبر کو رومانیت لکھنے والے محبوب کی آتشی بوسوں کا تذکرہ کرنے والے۔۔یہ ہے اصل دسمبر یہ ہے اس اس کے اندر کی رومانیت جو رگوں میں برف جما دیتی ہے آئو تمہیں بوڑھے کے خواب میں لے کر چلتا ہوں کوئی اس کے نادر بولا اور یکلخت ہی منظر بدلا۔

آتش دان میں لکڑیاں جل رہی تھیں اور وہی بوڑھا اعلیٰ گرم لباس میں ملبوس آگ سینک رہا تھا ساتھ ٹیبل پر انواع قسم کے کھانے پڑے ہوئے تھے اور اس کے ہاتھ میں تپتا ہوا قہقے کا پیالہ تھا جس سے وہ گھونٹ گھونٹ قہوہ پی رہا تھا چہرے پر اچمان پھیلا ہوا وپ بوڑھا بہت مسرور دکھائی دیتا تھا۔

تم نے جانا کہ بوڑھا کیا خواب دیکھ رہا؟۔۔کوئی جیسے آگ سے چٹختی ہوئی لکڑیوں کی آواز میں بولا۔

یہ اس کے خوابوں میں جلتی ہوئی آگ ہے جس کی تپش اسے سردی سے جم کر مرنے نہیں دیتی اور یہ لذیذ کھانے جو تم دیکھ رہے ہو وہ اسے کبھی بھوک سے مرنے نہیں دیتے۔اس شہر کے فٹ پاتھوں پر نجانے کتنے بوڑھے اس آگ سے تپش حاصل کرتے ہیں ان کھانوں سے پیٹ بھر کر کھانا کھاتے ہیں۔یہ ان کا خواب ہے جو حقیقت سے بہت دور ہے پر ان کو سوتے میں بلکل حقیقت لگتا ہے۔

آئو آگے چلتے ہیں۔

منظر پھر بدلا۔اب وہ کچرے کے ڈبے میں سوئے ایک آٹھ سالہ بچے کے پاس کھڑا تھا سردی سے گھٹنوں کو پیٹ میں دبائے ہوئے وہ ہولے ہولے کانپتا ہوا اس کا وجود بزبان حال بیچارگی اور غربت کا نوحہ کہہ رہا تھا۔

کیا تم دیکھ رہے ہو۔۔؟؟

وہ واقعی دیکھ رہا تھا۔سن سا۔

آئو تمہیں خواب میں لے چلتا ہوں۔

کوئی جیسے سردی میں ٹھٹھرتے اس بچے کے وجود سے بولا تھا۔

اب کے منظر صبح صادق کا تھا چڑیاں چہچہا رہی تھیں اور سورج مشرق سے نمودار ہونے کو تھا۔

وہ بچا گرم لحاف اوڑھے سو رہا تھا۔نرم ہموار سانسیں اس کے اندر موجود سکون کا پتا دے رہی تھیں۔

گھر میں ہلکی سی چہل پہل جاری تھی تب ہی اچانک کمرے میں ایک درمیانی عمر کی عورت نے قدم رکھا اور بچے کو شفقت امیز نظروں سے دیکھتے ہوئے اس کے پاس آ کھڑی ہوئی۔

بیٹے اٹھو سکول کے لئے تیار ہو جائو۔وہ اب اس کے ماتھے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اس جگا رہی تھی۔

ماما۔۔مجھے سونا ہے۔بچے نے دوسری طرف کروٹ بدلتے ہوئے نیند بھری آواز میں کہا۔تو وہ عورت بولی۔

سکول سے واپس آ کر سو جانا میرے لال ابھی سوئے تو نصیب بھی سو جائے گا۔

تمہیں سورج کی ساتھ ساتھ سفر کرنا ہے بلندی کی طرف ایسے نہیں سوتے بیٹا۔

چلو شاباش اٹھو۔

اسے بستر سے نرمی سے کھینچ کر نکالتے ہوئے اس عورت کے چہرے پر ممتا کا نور تھا۔

کچھ دیر بعد وہی عورت اسے تیار کر رہی تھی۔نئی اجلی ہوئی وردی پہنا کر بالوں میں کنگی کرتے ہوئے وہ اس سے مسلسل محبت بھری باتیں کر رہی تھی۔

سکول میں لڑنا نہیں ہے ناشتے کی میز پر ایک سنجیدہ صورت مرد اسے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

ارے میرا بچا کہاں لڑتا ہے۔اس عورت نے اسے سینے لگایا تو وہ مرد ہنسا۔

تم اسے بگاڑ رہی ہو۔

ناشتے میں عورت اس کے آگے اس کی من پسند چیزیں سجا رہی تھی اور ساتھ نوالہ نوالہ اس کے منہ میں ڈال رہی تھی۔

کچھ دیر بعد وہ دروازے میں کھڑی اس کے بیگ میں ٹفن رکھتے ہوئے اسے تاکید کر رہی تھی کہ وہ دوپہر لازمی اس میں سے کھا لے۔

بچا خوش و خرم اپنے ساتھیوں کے ساتھ سکول کی طرف جا رہا تھا اور کچھ دیر بعد گلی خالی ہو چکی تھی۔

کس قدر خوبصورت خواب ہے رشتوں کی مٹھاس لئے۔

وہ بچے کے خواب سے فٹ پاتھ کے خواب میں لوٹا تو وہی آواز سنائی دی۔

اس نے تاسف سے بچے کو دیکھا۔

"چلو آگے چلتے ہیں۔تمہیں آج کا آخری خواب دیکھاتا ہوں۔

وہ آگے چلنے لگا۔

سبزی کی مشہور دوکانوں کے پاس جا کر اس کے قدم خود بخود رکے تھے۔ سامنے دیوار کے ساتھ ایک ریڑھی خاموشی سے کھڑی تاریکی لمحوں میں کہیں کھوئی ہوئی تھی۔

یہ جو تنہائی کی گہری چادر اوڑھے خالی ریڑھی کھڑی ہے یہ ایک غریب محنت کش بوڑھے کی ہے جو اس پر سبزی بیچتا ہے،۔

چند دن سے وہ بیمار ہے اور ریڑھی دھکیلنے کی ہمت نہیں رکھتا ہے اس لئے اس کی ساری سبزیاں گل سڑ گئی ہیں۔

ہماری آنکھیں اتنی اندھی ہو چکی ہیں کہ وہ دیکھ نہیں پاتی ہیں کہ اس جیسے سینکڑوں لوگ ریڑھی کو نہیں بلکے اپنی صدیوں سے ایک ہی جگہ رکی ہوئی زندگی کو دھکیل رہے ہوتے ہیں۔ لیکن ہم آگے بڑھ کر کبھی ان کے ساتھ شامل نہیں ہوتے ہیں۔ ہمارا ہلکا سا دھکا ان کی زندگی کو کافی آگے دھکیل کر کچھ دنوں کا سکون عطا کر سکتا ہے۔ لیکن ہم ان سے کچھ نہیں خریدتے ہیں۔

یہ آخری خواب اس ریڑھی کا ہے۔

ریڑھی کا۔۔؟؟ وہ جوان دیکھی آواز کو سن رہا تھا اس آخری خواب کے متعلق جان کر چونکا۔

ہاں ریڑھی کا۔ جب انسان کے اندر احساس خاموش موت مرتا ہے تو پھر بے جان چیزیں خواب دیکھنا شروع کر دیتی ہیں۔

آج کے اس تیز رفتار مشینی دور میں ہمارا احساس ختم ہو چکا ہے۔ ہم مشینوں کے بیچ مشین ہو چکے ہیں۔ جیسے کچھ مشینوں نے مزدوروں کا گلا گھونٹ دیا ہے ایسے ہم انسان نما مشینیں بھی دن میں سینکڑوں لوگوں کا گلا گھونٹ کر ان کی حسرتوں میں سینکڑوں حسرتوں کا اضافہ کر دیتے ہیں۔

وہ کچھ کہنا چاہتا تھا۔ لیکن منظر بدل چکا تھا۔

یہ ایک بوسیدہ جھونپڑی تھی۔ فرش، کو فرش نہیں کہا جا سکتا تھا۔ ناہموار زمین تھی۔

اکثر غریبوں کی زندگی اس فرش کی طرح جگہ جگہ سے ادھڑی ہوئی ہوتی ہے۔ ناہموار سی۔ جا بجا مردہ خوابوں کی قبریں کھدی ہوئی ہوتی ہیں۔

غیر مرئی وجود نے گویا اس کے اندر جھانکتے ہوئے کہا۔

بوڑھا کھانس رہا تھا۔ سانس کو کھینچتے ہوئے وہ سانس لینے کی اذیت کو محسوس کر رہا تھا۔

ایک بوڑھی اس کے بیٹھی تھی اور ایک جون لڑکی جس کی آنکھوں اور جھونپڑی کی دیواروں میں نابدلنے والے وقت کا شکوہ تھا۔

دوائی ختم ہو گئی ہے اماں۔

خالی دوائی کی بوتلوں کو دیکھتے ہوئے وہ لڑکی بولی تو اس کی آواز میں پریشانی کا مہیب سناٹا پھیلا ہوا تھا۔

اللہ رحم کرے گا۔ بوڑھی نے اپنے میلے کپڑے سے بوڑھے کی پیشانی پر چمکتے غربت کے پسینے کو صاف کرتے ہوئے کہا تو لڑکی نے بے یقینی سے سر ہلا دیا۔

کچھ دیر ماں اور بیٹی خاموش رہے۔ بس بوڑھا کھانستے ہوئے کچھ بڑبڑا رہا تھا۔

اور آٹا بھی بس آج کے لئے ہے۔

بیٹی نے سر جھکاتے ہوئے دوبارہ ماں کو مخاطب کیا۔

ماں نے ایک نظر بوڑھے کو دیکھا اور پھر در و دیوار سے لپٹی غربت کو۔ پھر ایک طویل سانس اپنے اندر کھینچ کر خاموش ہو گئی۔

لڑکی تاریکی میں کسی کو کھوجتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ پھر سے وہ کچھ دور بنے پکے اونچے مکانوں میں مانگنے جائے گی۔

جن میں بستے لوگوں میں بھوک کا غم کبھی نہیں پیدا ہوا تھا۔

لیکن ان کی آنکھوں میں جو بھوک تھی وہ اس سے بہت ڈرتی تھی۔

ایک مرتبے پہلے بھی وہ وہاں مانگنے گئی تھی اور گھروں میں بیٹھے مردوں نے اس کے وجود کو دیکھتے ہوئے نظروں ہی نظروں میں اسے تولا تھا۔

ان لمحوں کا سوچ کر اس نے جھری سی لی۔

مجھے پھر سے ان بھوکی نظروں کا شکار ہونا پڑے گا۔

اس نے دکھ سے سوچا اور اپنے ماں باپ کو دیکھنے لگی۔

یہ اس ڑیڑھی کے خواب کا تاریک پہلو تھا۔ اس خواب کا روشن حصہ یہ ہے۔

لڑکی کی آنکھوں میں پیدا ہونے والے خوف سے آواز آئی اور ساتھ ہی منظر نے میں تبدیلی ہوئی۔

ڑیڑھی پر روزمرا کے ستعمال میں آنے والی تازہ سبزی تھی۔ لوگ خرید رہے تھے بوڑھا بیچے جا رہا تھا۔

اس کے خریداروں میں بہت سے چہرے ایسے تھے جن کو وہ جانتا تھا۔

اس جیسے ہی لوگ تھے جو محض اپنی انا اور معاشرے کی آنکھ میں رہنے کے لئے شیشوں کی بڑی بڑی دکانوں سے سبزی اور پھل خریدتے تھے۔

بوڑھے نے سبزی فروخت کی اور شاداں و فرحاں گھر کی سمت چل دیا۔

گھر وہی تھا لیکن اس میں کافی حد تک بہتری آچکی تھی۔ فرش پر اینٹیں ڈال کر کچا فرش تیار کر دیا تھا اور دیواروں پر چونے سے سفیدی پھیلا دی گئی تھی۔

بوڑھی صحن میں بیٹھی تسبیح کے دانوں کو گرائے جا رہی تھی اور وہ لڑکی کچن میں کھانا بناتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ آج اس کا باپ کتنا خوش ہو گا جب دیکھے گا اس نے ان کی پسند کی پلاؤ پکائی ہے۔

یہ اس شہر کے فٹ پاتھوں کے روشن اور تاریک خواب ہیں۔

لیکن ابھی تک تاریکی ان پر غالب ہے۔ شاید کسی روز خواب حقیقت بن جائیں۔ اب جاگ جاؤ تم بھی تم نے بس اتنا ہی دیکھنا تھا۔

کسی نے اس کے شانے کو ہلایا تو وہ نیند سے ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔

وہ اپنے کمرے میں تھا۔

کیا یہ خواب تھا۔ اس نے کنپٹی پر ہاتھ رکھتے ہوئے ایک لمحے کو سوچا۔

اگر خواب تھا میں اسے حقیقت کروں گا۔ وہ دوبارہ لیٹ کر خواب سوچنے لگا تھا۔

اگلی صبح اس نے کچھ دوستوں کے ساتھ ملکر ایک چھوٹی سی فلاحی تنظیم کی بنیاد رکھی تھی۔ جس کا مقصد غیرب لوگوں سے ہمدردی اور ان کی عزت نفس کا خیال رکھتے ہوئے ان کی مدد کرنا تھا۔ وہ اور اس کے دوست لوگوں کو باور کراتے تھے کہ وہ چھوٹی موٹی چیزیں ایسے لوگوں سے خریدیں جن کی زندگی کا پہیا روز کی آمدنی پر چلتا تھا۔ اور ساتھ ہی وہ علاقے میں پھیلے سکولز میں جاتے تھے اور انتظامیہ کو غرین بچوں کی مفت تعلیم پر قائل کرتے تھے اور کچرا چنتے بچوں کو سکول میں لاتے تھے۔ ان کی کاپیاں کتابیں خریدتے تھے۔

ان کی تنظیم کا نام — ’فٹ پاتھ کے خواب‘ تھا۔

اور وہ خوابوں کو حقیقت میں بدل رہے تھے۔

یہ شروعات تھیں ایک ایسے معاشرے کی جہاں محبت اور انسانیت پنپ سکتی تھی۔

اور بہت کم لوگ جانتے تھے۔

انسانیت میں کتنا سکون تھا۔

☆☆☆☆

دکھ ایک موسم ہے

اس نے چند لمحے سامنے بیٹھی ہلکی براؤن آنکھوں والی لڑکی کو دیکھا جو بارش میں پوری بھیگ ہوئی تھی پانی کی بوندیں اس کی ریشمی زلفوں پر چڑیوں کی طرح بیٹھی ہوئیں تھیں اور کاٹن کا پھول دار جوڑا بھیگ کر اس کے بدن میں کہیں کھویا ہوا تھا۔

اچھا موسم ہے نالکھاری بابو۔۔۔لہجے میں بہت ساری بارش لئے وہ بولی تو اس کے چہرے پر خشکی میں کہیں جیسے اس کے وجود کی نمی جیسی مسکراہٹ تیری اور وہ بولا۔

یہ دکھ کا موسم ہے بہت اچھا موسم ہے،

وہ بالوں پر سے بوندوں کی چڑیوں کو جھٹکے سے اڑاتے ہوئے اس کی بات سن کر چونکی اور تھکی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

ساون کے اس حسین موسم کو تم دکھ کا موسم کہتے ہو جب لڑکیاں بالیاں پہنتی ہیں بارشوں میں بھگیتی ہیں اور پھول خوشی سے جھومتے ہیں۔ آخر تمہیں ہوا کیا ہے جو ایسی باتیں کر کے موسم کا حسن خراب کرتے ہو۔۔۔؟؟؟

وہ اس کے لہجے میں پھیلتی بارش کی بوندوں اور بھیگتے وجود سے اٹھتی تپش میں پھیلتے جذبوں کو کچھ دیر محسوس کرتا رہا پھر اس کے کانوں میں پہنی ہوئی بالیوں کو دیکھتے ہوئے بولا۔

ایک بار میرے گائوں میں ساون آیا تھا میرے دوست کی محبوبہ نے بالیاں پہنی تھیں اور بارش میں نہائی تھی پھر یوں ہوا کہ گائوں کی ندی میں میرا دوست نہاتے ہوئے ڈوب گیا تب کے بعد اس لڑکی آنکھوں میں صحرا آباد ہے بارشیں ملکوں شہروں دیہاتوں میں ہر جگہ ہوتی ہیں پر اس کی آنکھوں میں کبھی بارشیں نہیں ہوتی ہیں کوئی نمی نہیں اترتی ہے،،اس لئے میں کہتا ہوں یہ دکھ کا موسم ہے۔

کیا اس واقعہ سے مان لیا جائے کہ یہ دکھ کا موسم ہے بہت ساروں کو خوشیاں بھی ملی ہوں گیں وہ موسم کو دکھ کا موسم ماننے پر راضی نہیں تھی۔

وہ اس کی بات سن کر بولا؛میرے حافظے میں ایسے بہت سارے ساون پڑھے ہیں جو دکھ کا موسم بن کر آئے۔ابھی پچھلے ساون میرے گھر کے پاس رہتے ایک فوجی کی شادی ہوئی چند دن بعد اسے اوپر برف زاروں میں بھیج دیا گیا پھر وہ کبھی نہیں لوٹا برف

نے اسے نگل لیا اس ماں کی آنکھوں میں بھی دکھ کا موسم ہے خشک دوپہر جیسا۔اور اس کی بیوی کے حنائی ہاتھوں میں بھی دکھ کا موسم جم گیا ہے۔

وہ اداس ہوگئی۔اور کچھ دیر بارش کو دیکھنے کے بعد بولی۔؛کیا تم نے کبھی سکھ کا موسم بھی دیکھا ہے؟

ہاں۔۔اس نے سر ہلایا اور بولا۔دو دن پہلے سگنل پر پھول بیچنے والے لڑکے سے ایک لڑکی نے سارے پھول زیادہ پیسے دیکھ کر خرید ے تھے تب میں وہاں کھڑا دیکھ رہا تھا۔تب اس بچے کی آنکھوں میں سکھ کا موسم اترا تھا اور اس لڑکی کی آنکھوں میں بارش برسی تھی۔شاید وہ لڑکی اپنی پسند کی آئسکریم یا چاکلیٹ خریدنے جارہی تھی۔

وہ اس لڑکی کا سن کر مسکرائی اور بولی۔لڑکی تھی تبھی ایسا کیا عورت قربانی دینا جانتی ہے۔

اس نے اس کی تروتازہ مسکراہٹ میں سے کچھ مسکراہٹ اپنوں لبوں پر چپکائی اور بولا؛

قربانی کا بھی اپنا ایک موسم ہوتا ہے جیسے دسمبر جس میں محبتیں قربان ہوتی ہیں۔

تمہارے اندر کون سا موسم ہے۔وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولی۔۔؟

میرے اندر سارے موسم رہتے ہیں پر وہ فطری قانون کے ساتھ نہیں چلتے ہیں کبھی سرد شاموں میں میرے اندر جون کی تپتی دوپہر ہوتی ہے تو کبھی جون میں میرے اندر برف گرنے لگتی ہے۔پر شہر میں بھوکے فقیر کی صدائوں،حوالات میں مار کھاتے بے گناہ انسان۔مسجدوں میں بیٹھے شیطان،ہسپتال کی سیڑھیوں پر دم توڑتے مریض،غریب کے بچے کا خالی بستہ،برسات میں بیوہ کے گھر کی ٹپکتی چھت،کھلونے کو دیکھتی ہوئی غریب کی کم سن بچی جس کی آنکھوں سے بہتے آنسوئوں میں بھی خشک تپتا ہوا دکھ کا موسم ہے۔یہ سب میرے اندر کے موسم ہیں اس لئے سارے دکھ کے موسم ہیں۔

اس نے سر ہلایا اور بولی؛کیا میں تمہیں تمہارا موسم بن کر سکھ کی ٹھنڈی چھائوں دے سکتی ہوں،۔؟؟

وہ اس کی بات سن کر کچھ دیر اپنے اندر کے موسموں کو دیکھتا رہا۔پھر بولا تم ایسا نہیں کر سکتی ہو ا،تم بہار کا موسم ہو اور میرے اندر نا انصاف،جبر اور بھوک سے بلکتے ہوئے فٹ کچرا چنتے بچوں کی خزاں ہے تمہارا ار میرا کوئی میل نہیں ہے جائو لوٹ جائو۔۔اور مجھے کہنے دو۔۔۔دکھ ایک موسم ہے۔۔۔!!

☆☆☆☆

خواب وہ اور میں

کائنات نے سیاہ ماتمی لباس زیب تنا اور گلیاں کھوئے ہوئے خوابوں کی آہٹوں سے گونجنے لگیں۔ آنکھیں خواب اوڑھنے کو بے چین ہو گئیں اور دل یادوں کی پہیلیاں بوجھنے بیٹھ گئے۔

وہ شکستہ قدموں سے چلتا ہوا گلی کے اس پار جلتے لیمپ پوسٹ کے پاس آن بیٹھا جس کی روشنی ایک لمحے کو تاریکی پر غالب آتی اور دوسرے ہی لمحے تاریکی سے مغلوب ہو جاتی۔

مجھے راتیں پسند ہیں جب ہجرت زدہ خواب آنکھوں پر دستک دیتے ہیں اور جگنو محبت بھرے رازوں کی پیغام رسانی کا فریضہ ادا کرتے ہیں۔

اسے اپنی کسی سے کہی گئی بات یاد آئی اور ایک تلخ مسکراہٹ اس کے لبوں سے اتر کر گلی کی تاریکی میں کہیں کھو گئی۔

اس نے سگریٹ سلگایا۔

مجھے بھی راتیں پسند ہیں جب میں طویل خواب دیکھتی ہوں یا چاندنی رات میں چھت پر ٹہلتی ہوئے تاروں کو گنتی ہوں۔

تم جانتے ہو تارے وہ اچھے لوگ ہوتے جو مر جاتے اور خدا ان کو چمکتے ہوئے تاروں کی شکل دیکر آسمان میں روشن کر دیتا۔

کسی کی مدھم سی آواز ماضی سے نکل اسے سنائی دی۔

اس نے اوپر آسمان کو دیکھا۔

ٹمٹماتے تارے اور ایک نرم سی روشنی۔ جس نے آسمان کو نا محسوس انداز میں گھیر رکھا تھا۔

شاید وہ بھی ان تاروں کی درمیان روشن تھی۔ اس کا نام بھی تو تارا تھا۔

شاید نام کی مماثلت سے وہ بھی اس کی آسمان سے نکل کر اوپر کھلے آسمان میں چلی گئی تھی۔

راتوں کی سیاہی سے تمہیں گھبراتا چاہئے۔

پر مجھے راتیں پسند ہیں۔

وہ جواباً ہنسی تھی۔

جگنوؤں اور خوابوں کی محبت رکھنے والی اس لڑکی نے خود کشی کر لی تھی۔

اس کا کہا مانتی تو شاید آج وہ زندہ ہوتی۔

رات سے محبت کرنے والے دن کی روشنیوں کا غم بھلا کیا جانیں۔

اس کی آنکھوں میں کچھ خوابوں کی کرچیاں چبھی تھیں اس لئے نمی نے منظر کو دھندلاہٹ بخش دی۔

اس نے آنکھوں پر ہاتھ پھیرا۔۔۔منظر واضح ہو گیا۔۔

رات ڈھل جاتی ہے۔۔تارے بجھ جاتے ہیں اور جگنو اپنے دیس واپس لوٹ جاتے ہیں۔چاند اپنی چاندنی کو سمیٹ لیتا ہے۔

مختصر عمر والی چیزوں سے محبت نہیں کرتے ہیں۔

وہ پھر اس سے مخاطب تھا اور وہ پھر ہنس رہی تھی۔

کبھی کبھی کچھ پل کی رفاقت عمر بھر جینے کو کافی ہوتی ہیں امان۔لازمی نہیں طویل سلسلے ہی ہوں۔۔دائمی کچھ بھی نہیں ہوتا ہے۔

عناصر ہمیشہ ایک دوسرے سے برسرپیکار رہتے ہیں، بارشیں دھوپ سے لڑتی ہیں۔رات دن کو بچھاڑ تا ہے۔۔

آگ اور پانی دشمن ہیں، حقیقتیں خوابوں کی قاتل ہیں۔

دائمی بس غم ہوتا ہے۔۔وہ اسے سمجھانے لگتا۔

اور جواب میں۔۔۔۔وہی بے پرواہ ہنسی۔۔۔

اس نے دوسرا سگریٹ لبوں سے لگایا اور لیمپ پوسٹ کے سہارے کھڑا ہوتے ہوئے تاریکی میں جھانکنے لگا۔

مجھے چوڑیاں کیوں نہیں لا کر دیتے؟

کل میں نے ایک بنجارن کی کلائیوں پر رنگ برنگی چوڑیاں دیکھیں۔

وہ اس سے مخاطب تھی۔

چوڑیوں کی عمر بہت کم ہوتی ہے۔تم چوڑیاں نا پہنا کرو۔

میں بھی کم عمر ہی تو ہوں۔۔اس کی آواز میں نوخیز کونپلیں پھوٹنے لگیں تھیں۔

وہ اسے دیکھنے لگا۔

مجھے آج رات خواب دیکھنا ہے۔دور کسی محبت نگر کا۔

وہ دوبارہ بولی تھی۔

خواب بھی نا دیکھا کرو۔۔وہ چوڑیوں سے بھی زیادہ نازک ہوتے۔

چوڑیاں ٹوٹنے پر فریاد کرتی ہیں۔لیکن خواب ٹوٹیں تو فریاد کی آواز تک نہیں آتی۔۔بس ٹوٹ جاتے ہیں۔۔۔خاموشی

سے۔۔چپ چاپ۔

آخر تم چاہتے کیا ہو امان؟

کچھ بھی تو کرنے نہیں دیتے۔

میں طویل رفاقتیں چاہتا۔نا ختم ہونے والے سلسلے۔

اور وہ خاموشی سے اسے دیکھنے لگی۔پھر

اس نے خودکشی کر لی۔

کیوں کے اس نے۔جان لیا تھا۔

خوابوں، اور جگنوؤں کی شہر۔میں بڑی سیاہی بڑی تاریکی ہوتی ہے۔

وہ لیمپ پوسٹ کو مضبوطی سے پکڑے اوپر دیکھتا رہا۔

خواب وہ اور میں۔۔۔بس اتنی سی شام تھی۔۔ڈھل گئی تھی۔۔!!

تاریکی کے اس پار

اس نے نیچے جھانکا، دریا کے شور کے ساتھ گہری سیاہ تاریکی منہ کھولے اس نگلنے کو بے چین ہو رہی تھی۔

نیچے دریا تک فاصلہ تین سو فٹ تھا۔

اتنی بلندی سے دریا میں گرنے کے بعد کوئی نہیں بچ سکتا ہے۔اس سوچ نے اسے اطمینان دیا تھا کہ وہ بچے گا نہیں۔

وہ سوچنے لگا کہ

اس کی کوئی ہڈی سلامت نہیں بچنی تھی دریا میں ابھری ہوئی نوکیلے چٹانیں لمحوں میں اس کے بن دن کو چھید ڈالتیں۔

اگر وہ چٹانوں کے پاس گہرے پانی میں گرا تو؟

اس سوال نے اسے پریشان کر دیا تھا۔

اس نے پل پر سے آگے دور تک نظر ڈالی

وہ جانتا تھا کہ آدھے کلو میٹر کے بعد دریا کا پاٹ بہت تنگ ہو جاتا ہے وہاں پانی کا بہاؤ تیز اور پتھروں کے ایک دوسرے سے رگڑ کھانے کا شور گونجتا رہتا تھا۔

کوئی بات نہیں۔۔اگر پانی میں گرا تو بہہ کر آگے جاؤں گا اور وہاں موجود چٹانیں اور پتھر اسے چکی میں گندم کی طرح پیس کر رکھ دیں گے۔

اس نے تصور میں اپنے وجود کے اس جگہ چھیتڑے ہوتے دیکھے۔

اس دریا کی ایک خاصیت وہ جانتا تھا۔

یہ لاش تک واپس نہیں دیتا تھا۔

اس کی لاش بھی نہیں ملنی تھی۔

اس نے دل میں خوشی محسوس کی ان لوگوں کو اس کی لاش پر رونے کا موقعہ تک نہیں ملے گا جنہوں نے اسے زندگی میں ہنسنے کا موقعہ نہیں دیا تھا۔

اگر تم نا مرے تو۔؟

ایک خوفناک سوال اس کے اندر اٹھا۔

اس نے اپنی ہتھیلیوں کو پل کے جنگلے پر مضبوط کر دیا۔

اگر اس کو موت بھی ٹھکرا دیتی تو۔؟

اس کبھی کسی نے اپنایا نہیں تھا۔ سچے رشتوں نے بھی اس اقساط میں موت دی تھی۔ وہ زندگی میں جیا کم اور مرا زیادہ تھا۔

تمہیں کبھی اپنائیت نامل سکی کسی ایک رشتے سے بھی نہیں۔ تمہیں تو محبت بھی ٹھکرا گئی تھی۔

تمہاری محبت بھی لوگوں سے زیادہ بے رحم نکلی اسے بھی لوگ تم سے سے زیادہ عزیز تھے۔

کچھ آخری آنسو اس کی زندگی سے خالی آنکھوں میں اترے تو اس نے بیدردی سے انہوں آنکھوں کے کناروں پر مسل دیا۔

اسے پہلی بار معلوم ہوا کہ لوگ زندگی میں سے موت کو کیوں چنتے ہیں۔

کسی کا مخملی لہجہ اسے بے طرح یاد آیا۔

بہت سارے چہرے اس کی نگاہوں میں گھومے پر ایک چہرہ جو بہت کم وقت میں اسے بے چہرہ کر گیا۔

جس نے زندگی کی آخری سانس اس سے، چھیننے میں مدد کی۔

اگر وہ نا ہوتی تو شاید اسے مرنے کا فیصلہ لینا مشکل لگتا پر اس نے اسی کی موت کو اس کے لئے کتنا آسان کر دیا تھا۔

بس ایک چھلانگ زندگی اور موت کے بیچ حد تھی۔

تمہیں کوئی یاد نہیں رکھے گا۔

آخر تم میں تھا ہی کیا جو یاد رکھنے کے قابل ہو؟

تم قابل رحم آدمی ہو۔ ٹھکرائے گئے لوگوں کی موت پر رسماً بھی کوئی افسوس نہیں کرتا۔

لوگ ہاتھ جھاڑ کر کہیں گے

اچھا ہوا جان چھوٹی۔

کتنی خوبصورت ہوتی ہے یہ موت

کتنے دکھوں کا مداوا کر دیتی ہے۔ کتنی میٹھی اور پر سکون نیند سلا دیتی ہے۔

اس نے نیچے جھانکتے ہوئے سوچا

لہروں کا شور اس اپنی بانہوں میں تھپک تھپک کر سلانے کو بے چین ہو رہا تھا۔

لمبی پر سکون نیند۔

زندگی کے مشقت بھرے سفر کے بعد آخر وہ انجام کے قریب سونے لگا تھا۔

کاش کوئی سمجھ سکتا۔

کاش یہ لفظ کاش نا ہوتا۔

اس نے لمبی سانس اپنے اندر کھینچی

الوادعی سانسیں کس قدر بوجھل اور دل گرفتہ ہوتی ہیں۔ زندگی کی بے رحمی کا بوجھ اٹھائے اٹھائے وہ تھک گیا تھا۔

اس نے دل کی دھڑکن کو نرم ہوتے محسوس کیا۔ نبض دھیمی رفتار سے کلائیوں میں دھڑک رہی تھی۔

جیسے لمبی مسافت کی پرواز کے بعد پرندے ہانپنے لگتے ہیں۔

تمہارا کوئی اپنا نہیں تھا۔ وہ بھی نہیں جسے تم نے چاہا۔

اسے ایک بار پھر وہ یاد آئی۔

جانتا تھا کہ کچھ ہی دنوں میں وہ فراموش کر دے گی۔

بس یاد بن جائے گا وہ بھی۔

ایسی یاد جو کسی کو یاد دلانے پر بھی مشکل سے یاد آتی ہے۔

کوئی ہمسفر نا ملا۔

سب کچھ پل کی ہمراہی کے لئے اس کی زندگی میں سوار ہوئے اور اپنی منزل کے آجانے پر اتر گئے۔

تم بدقسمت ہو۔

اس نے خود کو مخاطب کیا۔

کچھ دیر اور بس سانسوں کا بھاری بوجھ اٹھانا ہے پھر پھینک دو گے۔

اس نے تاریکی میں نیچے دیکھا اور مسکرایا۔

تاریکی میں چھپی بیٹھی روشنی اس کی راہ دیکھ رہی تھی۔

وہ ایک ایسے سفر پر روانہ ہو رہا تھا جس سے کبھی کوئی واپس نہیں پلٹا۔ جس کی کوئی انتہا نہیں تھی۔

الوداع اے زندگی۔

تمہاری الجھنوں نے تھکا دیا۔

گنی چنی آخری سانسوں کا قرض ادا ہوا

تم جیت گئی اور میں ہار گیا۔

میں سب کچھ ہار گیا۔

تمہیں بھی اور خود کو بھی۔

اور اسے بھی جس نے زندگی جینا سکھانا تھا لیکن موت جینا سکھا گئی۔۔۔!!

☆☆☆☆

ساتھ چھوٹنے تک

ساحر

کسی نے اسے پکارا تھا۔ وہ آواز وہ لاکھوں خاموشیاں سہنے کے بعد اس نے سنی تھی۔

وہ اس کے سامنے تھی

شاید میں خواب میں ہوں۔

اس نے دوبارہ آنکھیں موند لیں۔

ساحر

آواز پھر سے سنائی دی۔

تم میرے اندر سے چلی کیوں نہیں جاتی ہو اب تو میں خود بھی جانے لگا ہوں۔۔

وہ بڑبتایا تو کسی نے اس کا سر دپڑتا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ یہ خواب تو نہیں تھا۔

وہ اس کے پاس بیٹھی تھی۔

کیا حال کر دیا ساحر کوئی ایسا بھی کرتا ہے خود کے ساتھ۔۔؟

اس کی آواز میں نمی تھی شاید یا وہ اپنی خالی خشک آنکھوں سے آنسوؤں کو سراب کی طرح محسوس کر رہا تھا۔ وہ سمجھا نہیں تھا۔

بہت دیر کر دی آنے میں۔

سائیڈ میں زندگی کی نبض تھامے کھڑی مشین کی آواز اور اس کی آواز میں کچھ زیادہ فرق نہیں تھا۔

آ تو گئی نا۔

وہ اس کی نسوں میں زندگی کو محسوس کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

تمہیں کیا ہو گیا ساحر یہ سب کیا ہے؟

وہ پھر سے بولی تھی۔

مجھے کچھ نہیں ہوا ہے بس ساتھ چھوٹ رہا ہے خود سے۔

وہ پھیکی سی ہنسی ہنسا۔

تم کیسی ہو ماہی۔۔؟

تمہارے سامنے ہوں۔

اور ساتھ یوں نہیں چھوٹتا ہے تم ٹھیک ہو جاؤ گے۔

اس نے تسلی دینے کی کوشش کی۔

یوں کہاں چھوٹا ہے۔بہت وقت لگ گیا۔

کاش یوں ہی چھوٹ جاتا۔کافی وقت ہو گیا ماہی پتا نہیں کتنی صدیاں مجھ پر پاؤں رکھے گزر چکی ہیں۔

اس نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن ناکام ہو کر واپس گر گیا۔

وہ خاموش رہی۔بس اس کا ہاتھ اس کے ہاتھوں میں خاموشی سے ساتھ چھوٹ جانے کا گلہ کر رہا تھا۔

چپ کیوں ہو؟

میں خاموشی کی گہری وادیوں میں دم بہ دم اتر رہا ہوں۔

تم تو جانتی تھی کہ مجھے سناٹے سے کس قدر محبت تھی۔

اب تو میرا چہرہ ہی بہت دور جانے کی خبر دے رہا ہے جہاں میں خاموشی سے اتر جاؤں گا۔

ایسا نا کہو ساحر تم کہیں نہیں جا رہے ہو

وہ شاید رونے والی تھی۔

ساتھ چھوٹنا تھا چھوٹ ہی گیا ماہی۔

اب میرے کہنے نا کہنے سے کیا ہوتا ہے۔

مرض اس قدر شدید تھا کہ کوئی دوا کارگر نہ رہی۔اب تو بس زندگی کی بچی کچھی سانسیں لے رہا ہوں اور کب یہ مشین مجھ سے تھک جائے اور میں آڑھی ترچھی لائنوں سے سیدھی لائن میں چلا جاؤں کون جانتا ہے۔

تم تو جانتی ہی ہو نا کہ میں گاڑی بھی اپنی لائن میں رکھتا تھا بالکل سیدھی۔

وہ مسکرایا یا مسکرانے کی کوشش کی وہ بھی نہیں جانتا تھا۔

وہ کراہنے لگا تو وہ بے چین ہو گئی۔

درد ہو رہا نا ساحر۔۔۔

وہ اس کے اوپر جھکی بالوں میں انگلیاں پھنسائے پوچھ رہی تھی۔

درد بہت رہا ماہی۔

اب تو قرار ملنے کی خوشی میں درد سہتا ہوں۔

تم تو جانتی ہو مجھے کتنا درد تھا۔

میرے زخم ایسے تھے کہ وقت ان کو بھرنے سے انکار کر گیا۔

زندگی سے محروم اس کی آنکھوں میں درد ہی تو تھا۔

میں سب جانتی ہوں ساحر۔

کچھ آنسو اس کی پلکوں سے سفر کرتے ہوئے اس کی پیشانی پر گرے تھے۔

جانتی تو سب ہی تھی پر کبھی مانتی کہاں تھی۔

کہا تھا نا کہ تمہارے بعد زیادہ دیر جی نا پاؤں گا۔

تم تو جانتی ہی ہو کہ مجھے جینے کی خواہش بھی نا رہی تھی۔

سانس اٹک گئی تو وہ کھانسنے لگا۔

آرام کرو ساحر زیادہ نا بولو۔

وہ روہانسی ہو گئی تھی۔

آرام ہی کر رہا ہوں ماہی بہت دور جو جانا ہے۔ لمبا سفر طے کرنا ہے۔

پر ماہی یہ سفر بھی اکیلا ہی کروں گا۔

بس آخری خواہش تھی کہ جب سانس نکلے تم پاس ہو میرے۔

میں اپنی زندگی کی آخری سانس بھی تمہاری قربت میں لینا چاہتا تھا تاکے جب میں نہ رہوں تو کبھی کبھی تمہاری سانسوں میں جی لوں تمہاری انگلیوں کا لمس یاد رکھوں اور جب میں بہت دور جانے کے بعد واپس پلٹ کر دیکھوں تو تم مجھے دکھائی دو۔

میں تمہیں روشنیوں کے شہر میں امانت کے طور پر رکھ کر جا رہا ہوں

میرے آگے تاریکیاں ہیں اور میری روح اب شکستہ ہو کر جھڑ رہی ہے۔۔۔

پر ماہی۔

تم جانتی تو ہو کہ میں نے کس قدر چاہا تھا تمہیں۔ کوئی لمحہ میری زندگی میں ایسا نہیں آیا تھا کہ جس لمحے میں تمہیں چاہا نا ہو۔

میں نے ہر سانس جو لی وہ تمہاری سانس تھی۔

اور ماہی آج ان سانسوں کے درمیان جو وقفہ تھا نا اسی میں تم سے بچھڑ رہا ہوں۔

تمہاری سانسوں کو محسوس کرتے ہوئے آج ان میں اپنا وجود چھوڑ کر جا رہا ہوں۔۔

میں تمہاری سانسوں میں ہمیشہ سانس لوں گا ماہی اور جب۔۔

اس کی سانسیں یکلخت الٹ گئیں تھیں۔

آنکھوں کی پتلیوں ساکت ہونے لگی۔

ڈاکٹر۔

وہ شدت غم سے چلائی تھی۔

بھاگتے قدموں کے ساتھ ڈاکٹر اور نرس کمرے میں داخل ہوئے۔

سائیڈ پر ہٹیں۔

نرس نے اس دھکیلا تو اس کا ہاتھ اس کے ہاتھوں سے نکل کر بیڈ کے کنارے سے جھول گیا۔

ساتھ چھوٹنا تھا ماہی۔

ساتھ چھوٹ گیا آخر۔

وہ اس کے اندر کہیں بولا تھا۔

ڈاکٹر اور نرس اس کی سانسوں کو جوڑ رہے تھے۔

اور وہ اس کے اندر بیٹھا تھا۔

چھوڑ ہی جاتے ہو ساحر۔

وہ منہ پر ہاتھ رکھے رو رہی تھی۔

جان جو چکی تھی۔

ساتھ چھوٹ چکا تھا۔

ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔۔۔!!

☆☆☆☆

بے رنگ خواب

وہ سکیچ مکمل کر چکا تھا جب وہ گیلری میں داخل ہوئی اور زمین کو ٹٹولتی ہوئی اس کے پاس آ کھڑی ہوئی۔

میں آپ کے لئے کیا کر سکتا ہوں۔۔؟ پنسل کو ہاتھ میں گھماتے ہوئے وہ اس کی آنکھوں کے خالی محل میں جھانکتے ہوئے پوچھ رہا تھا.

مجھے ایک تصویر بنوانی ہے جس میں سارے رنگ آپ میری مرضی کے مطابق استعمال کریں گیں۔

اس کی آنکھوں کی طرح آواز بھی تنہائی کی گہری خوشبو سے بھری ہوئی تھی۔

کب تک چاہیے آپ کو۔۔

آج ہی

دیواروں پر ٹنگی پینٹنگز پر نظریں دوڑاتے ہوئے وہ دھیمے میں لہجے میں بولی۔

اس نے وال کلاک پر نظر ڈالی اس کے پاس کافی وقت تھا۔

کس کی تصویر بنانی ہے۔۔؟

ایک باغ کی جس میں تتلیاں پھول ایک لکڑی کا بینچ کچھ پرندے اور ایک لڑکی ہو۔

لڑکی بتاتی جا رہی تھی اور وہ بنائے جا رہا تھا

کینوس پر مہارت سے پرندے پھول اور تتلیاں بناتے ہوئے وہ بولا۔

لڑکی کیسی ہونی چاہیے؟

جیسے میں ہوں۔

وہ غور سے اسے سب کرتے دیکھ رہی تھی۔

اس نے سر ہلایا اور دوبارہ انگلیوں کو حرکت دینے لگا۔

کچھ دیر بعد تصویر مکمل ہو چکی تھی۔

اب بس اس میں رنگ بھرنے تھے۔

کہیں کون سا رنگ بھرنا ہے رنگوں کو ترتیب دیتے ہوئے وہ پوچھ رہا تھا۔

ساری چیزوں میں کال رنگ بھر دیں۔

وہ چونکا۔

کالا رنگ؟

جی کالا رنگ۔

وہ یقین بھرے لہجے میں بول رہی تھی۔

پر اس طرح ساری پینٹنگ ختم ہو جائے گی۔

وہ چکرا گیا تھا۔

جانتی ہوں۔

پر یہ میں اپنے لئے بنوا رہی تو میری مرضی یہی ہے۔ میرا خواب ہے یہ کل شب کو دیکھا تھا۔

وہ حیرت سے تصویر اور لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔

پھر یکلخت ایک احساس اسے چونکا گیا۔

لڑکی کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے اسے محسوس ہوا کہ وہ اندھی تھی۔۔۔!!

☆☆☆☆

یادگار

برسوں بعد جب مجھے احساس ہوا کہ اب میری سانسوں کی تاریں کسی بوسیدہ رباب کی تاروں جیسے ٹوٹ کر آخری آواز نکالیں گیں اور خاموشی غالب آجائے گی تو یہ احساس شدید تر ہوا کہ مجھے محبت کی کوئی یادگار تعمیر کرنی چاہیے۔

اس لئے ایک آخری بار میں نے تم سے ملنے کی خواہش کو اپنے وجود کی سوکھی ٹہنیوں پر پیدا کرنے کی کوشش کی۔

مجھے لگا کہ شاید تم اس مقدس یادگار کو بنانے میں میری مدد کر سکو۔

سامنے بیٹھی بوڑھی کی آنکھوں میں اس کی باتوں نے گئے وقتوں کے چھاؤں کو گھنا کر لیا تھا۔ پر وہ مکمل خاموش تھی۔

میرے پاس کچھ پرفیوم کی خالی شیشیاں کچھ ڈائریاں اور کچھ خطوط تھے جو میں کبھی تمہیں پوسٹ نہیں کر پایا تھا گو کہ میرے حافظے کو عمر کی دیمک کھا گئی تھی پر اس میں کچھ لمحے آج بھی سلامت تھے۔ جن میں تمہارا ہاتھ تھامنے کی اور لمبی سڑک پر تمہارے ساتھ بارش میں چلنے کی تصویریں میں نے تخیل کے کیمرے سے نکال کر فریم کی ہوئیں تھیں۔

پر آج مدتوں بعد جب تم میرے روبرو ہو اور تمہارے آنکھوں سے سارے خواب یوں جھڑ گئے ہیں جیسے خزاں میں درختوں سے پتے جھڑتے ہیں تو میں تمہیں بتانا، چاہتا ہوں کہ تمہارے سارے خواب میری آنکھوں میں اڑتے پھرتے ہیں اور کئی بار میرے زبان نے تمہارے خوابوں کے ذائقے کو چکھا ہے۔

میں مہینوں سے رتجگوں کے عذاب سہتا ہوں جب آنکھوں میں خواب مرتے ہیں تو ان کے تعفن سے نیندوں سے باس آنے لگتی ہے۔

وہ مسلسل بول رہا تھا اس کے چہرے کی جھریوں سے محبت کے انمٹ احساس جھانک رہے تھے لیکن بہت وقت کے بعد بھی سامنے سننے والی پتھر بنی بیٹھی تھی۔

مجھے اب جانا ہو گا۔

وال کلاک پر نظر ڈالتے ہوئے اس کے الفاظ ہمیشہ کی طرح اجنبی تھے۔

☆☆

جب وہ چلی گئی اور محبت کی یادگار تعمیر ہونے سے پہلے ہی مسمار ہو گئی تو وہ بوڑھا خالی شیشیوں میں سے آتی محبت کی خوشبو کو سونگھتا رہا تھا۔ اس کے لکھے گئے سارے خطوط آخری خواہش کے رائیگاں چلے جانے پر مکمل بھیگ چکے۔

شاید وہ آخری مرتبہ پھر یقین دلانے مین ناکام ہو چکا تھا۔

پر کسے فرق پڑتا تھا محبت کی یادگاروں میں اس کی قبر آج بھی سر اٹھائے کھڑی تھی جس پر وہی بوڑھی اکثر پھول چڑھاتے ہوئے دکھائی دیتی تھی۔۔۔۔۔۔!!

اداسی

آیت حیرانگی سے سامنے بیٹھے ہوئے شخص کو دیکھ رہی تھی جو شہر کا اداس اور پر اسرار لکھاری تھا اور پچھلے تین ماہ سے ہزار منتوں کے بعد ملاقات کے لئے راضی ہوا تھا۔گھنے بکھرے بال۔گہری اداس آنکھیں اور کھوئے کھوئے سے نین و نقش والا چہرہ۔۔ وہ اس کے تصور سے بلکل الٹ تھا۔

نہ آنکھوں پر کوئی موٹہ سا چشمہ نہ ہی وہ عمر رسیدہ تھا۔وہ اس سے کچھ سال ہی بڑا تھا۔۔ابھی وہ اس کا جائزہ ہی لے رہی تھی جب وہ دھیمے لہجے میں اس سے مخاطب ہوا۔

آپ مجھے سے کیوں ملنا چاہتی تھیں۔میں حیران ہوتا ہوں لوگ مجھ سے کیوں ملنا چاہتے ہیں۔میں تو خود کو بھی کبھی ملنا نہیں چاہتا اور نہ مجھے خود میں اتنی دلچپسی ہے۔۔پھر لوگ کیوں آخر۔۔۔؟؟

میں آپ کی تحریروں سے بہت متاثر ہوں احساسات سے گندھی آپ کی اداس کہانیوں نے مجھے مجبور کر دیا کے میں آپ سے ملوں اور اس کی وجہ جانوں۔۔میں سوچتی ہوں کوئی اتنا اداس کیسے رہ سکتا ہے کوئی اتنی زیادہ اداسی کو کیسے جھیل سکتا ہے آخر اتنی اداسی کہاں سے آتی آپ کے پاس۔مجھے لگا تھا آپ بوڑھے ہوں گے پر آپ تو مجھ سے چند برس ہی بڑے ہیں اس کم عمری میں اتنی اداسی کیوں؟

میں بوڑھا ہی ہوں میری روح کے پاؤں زمانوں کی گرد سے اٹے ہوئے ہیں۔میں ہسپتال میں جس دن پیدا ہوا اسی دن وہاں ایک بوڑھا فوت ہوا مجھے یقین ہے اس بوڑھے کی روح اس کے جسم سے نکل کر میرے جسم میں گھس گئی تھی۔پہلے مجھے یقین نہیں تھا پر وہ بوڑھا جسے میں نے کبھی نہیں دیکھا ایک دن میرے خواب میں آیا اس کے چہرے پر بہت ساری جھریاں تھیں اس نے مجھے بتایا کے وہ مجھ میں رہتا ہے۔

بوڑھے کا ذکر کرتے ہوئے اس کے چہرے پر کچھ جھریاں نمودار ہوئیں تھیں اور آیت کو لگا سامنے وہ نوجوان نہیں ایک بوڑھا بیٹھا ہے اس نے سر جھٹکا اس کو وہم ہونے لگا تھا شاید۔

اور یہ اداسی کیوں اور کس لئے ہر کہانی ہر افسانہ اداسی سے بھرا ہوا مجھے لگتا اگر آپ کے افسانوں پر مشتمل کتابوں کو نچوڑا جائے تو ڈھیر ساری اداسی نکلے۔۔زندگی میں اور کہی رنگ ہیں۔

بہت سی اداسیاں بے سبب ہوتی ہیں اور بہت ساری اداسیوں کے اسباب ہوتے ہیں۔اداسی انسان کے اندر اگتی ہے یہ دیمک

کی طرح آپ کو آہستہ آہستہ کھاتی جیسے امر بیل تناور درخت کو کھا کر کھوکھلا کر دیتی ویسے یہ اداسی انسان کو اندر سے کھوکھلا کرتی ہے۔

محرومیاں اس اداسی کا بیج ہوتیں ہیں لیکن میری اداسی خودرو گھاس کی طرح ہے جو میری ذات میں بلاوجہ اگتی رہتی ہے میں اس اداسی کی فصل کو جتنا کاٹتا ہوں یہ اتنی تیزی سے نشوونما پاتی ہے

۔اس اداسی کا رنگ بڑا پائیدار ہوتا ایک بار چڑھ جائے کبھی نہیں اترتا باقی کوئی بھی رنگ ہو دیرپا، نہیں ہوتا جلد اتر جاتا ہے۔ مجھے لگتا اداسی کا رنگ سفید ہوتا جس میں کچھ رنگ اور ڈال کر کوئی نیا رنگ تخلیق کیا جا سکتا ہے پر ہزاروں رنگ مل کر اداسی کا سفید رنگ نہیں بنا سکتے اداسی کا رنگ کسی قسم کے کھوٹ سے پاک اور بہت گہرا ہوتا ہے۔

وہ جیسے اداسی میں کہیں دور کھو گیا تھا اور آیت کو لگا کیفے میں ہر سو اداسی اگنے لگی ہے۔ چہروں پر، ٹیبلوں کرسیوں اور کھڑکیوں پر۔

اور تو اور لوگوں کی آوازوں میں بھی اداسی اگ رہی تھی۔ ہر رنگ جیسے پھیکا پڑ گیا تھا کھڑکی سے باہر دوڑتی گاڑیوں اور ساکت عمارتوں پر بھی اداسی کا رنگ چڑھنے لگا تھا۔ وہ گھبرا گئی۔۔ سامنے بیٹھا وہ شخص اسے بچپن میں پڑھی گئی بھوتوں والی کہانیوں کا کوئی کردار لگا تھا۔

کیا تم اداسی کی کوئی تعریف کر سکتے ہو؟ جس میں سمجھ پاؤں کے اداسی کیسی ہوتی ہو۔ اس نے اپنے اردگرد پھیلتی اداسی سے آنکھیں چراتے ہوئے سوال پوچھا۔

نہیں اداسی کی کوئی تعریف نہیں ممکن۔ اداسی کو سمجھنے کے لئے اپنے اندر اداسی کو اتارنا پڑھتا ہے اداسی کو روح سے چھونا پڑھتا ہے۔ اداسی ایک ذائقہ ہے۔ اب کوئی کڑواہٹ کی کوئی کیا تعریف کرے گا۔۔؟؟ کڑواہٹ بس کڑوی ہوتی ہے اس طرح اداسی بس اداسی ہوتی ہے۔ غمزدہ روحوں کی غذا۔

آس نے چائے کا گھونٹ لیا اور محسوس کرنے لگی کی چائے میں اداسی کا ذائقہ کس قدر ہے۔ کیا تم ہنستے ہو۔۔۔؟؟

اس نے اس کے چہرے پر پھیلی سنجیدگی کو دیکھتے پھر سوال کیا۔

بہت پہلے کی بات ہے جب ہم ہنسا کرتے تھے شاید میرے بچپن میں۔ ہم پہلی جماعت کی کتابوں میں موجود لطیفے ایک دوسرے کو سنا سنا کر ہنسا کرتے تھے اور کبھی کبھی بلاوجہ

ہی ہنسنے لگتے وہ بے وجہ سی ہنسی سب سے اچھی اور خوبصورت ہوا کرتی تھی جس چیز کو کرنے کی کوئی وجہ ہوتی ہے اس میں

اکثر کھوٹ اور مطلب ہوتا ہے بے لوث جذبے اکثر بے وجہ اور بس یونہی ہوتے ہیں کسی غرض کسی مطلب کے بغیر۔ آج بھی میں کبھی ہنستا ہو لیکن بچپن کی مسکراہٹ میں ہمارے دل شامل ہوا کرتے تھے اور آج ہماری مسکراہٹوں میں دل شامل نہیں ہوتے بس چہرہ بگڑ کر ہنسی کی صورت کو واضح کرتا۔ اور ہمیں لگتا کہ ہم ہنس رہے ہیں۔

وہ جانے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا اور جاتے ہوئے بولا۔

جس قہقے میں دل شامل نہیں ہو گا

اسے میں روح کی چیخ لکھوں گا۔۔!

اور وہ اسے جاتا دیکھتی رہی تھی اور سوچتی رہی کہ ہم ہنستے ہیں یا چیختے ہیں۔

(ناول سلوٹ زدہ خواب سے پیراگراف)

☆☆☆☆☆

سنہری لڑکی

لائبریری میں داخل ہوتے ہی اس کی نظر سامنے بیٹھی ہوئی لڑکی پر پڑھی وہ کوئی اور نہیں وہی اداس لڑکی تھی جس کی اداس نے اس کی اداسی کو اپنی طرف کھینچنا شروع کر دیا تھا۔ وہ جان کیٹس کی کتاب میں کھوئی تھی جس کے ٹائٹل

Here lies one whose name was writ in water

لکھا دور سے نظر آرہا تھا۔

وہ بغور اسے دیکھنے لگا سیاہ لباس میں ملبوس وہ خود کوئی کتاب لگ رہی تھی جو اچانک ہی شیلف سے گر پڑی ہو۔

وہ آہستہ قدموں سے چلتے ہوئے اس قریب پہنچا تو تو اس کے وجود میں جنبش ہوئی اور کتاب سے نظریں اس کی سمت اٹھیں وہی سیاہ کھوئی ہوئی اداس آنکھیں جن کے فسوں نے اسے دیوانہ کرنا شروع کر دیا تھا۔

کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں وہ ہولے سے بولا تو اس کے وجود میں ہلکی جنبش ہوئی اور پھر کتاب بند کرتے ہوئی وہ بولی۔

جی ضرور۔

وہ اس کے سامنے بیٹھ کر اسے دیکھنا لگا تھا۔

وہ ہمیشہ کی طرح اداس تھی اس پر ہمیشہ اداسی کا موسم چھایا رہتا تھا۔ جب وہ بات کرتی تھی تو اس کی باتوں سے اداسی کی مہک آتی تھی۔ پر اس کی اداسی میں ایک بے نام سی کشش اور خوبصورتی تھی۔ شاید وہ اداسی میں اور بھی زیادہ حسین اور دلفریب نظر آتی تھی۔ و

ہ تانبے سے بنی ایک سنہری لڑکی تھی۔

اسے وہ پراسرار پردوں میں لپٹا کوئی راز لگتی تھی جیسے کہرے کی چادر میں لپٹا کوئی دور دراز پہاڑیوں کا گائوں جس کے سارے مکین مر کر کسی مایہ جال میں زندہ ہوں۔

وہ اسے دھیرے دھیرے جان رہا تھا۔ وہ اکثر خوابوں میں رہتی تھی اسے لگتا جیسے وہ خوابوں میں رہتی کوئی پری ہو۔ پر وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ وہ خواب دیکھتی تھی یا خواب اسے دیکھتیا س کی دلکشی کسی خواب کے خواب جیسی ہی تو تھی۔

وہ خاموشی سے شیلفوں میں سجی کتابوں کو دیکھ رہی تھی۔ بوڑھے لائبریرین نے اسے بتایا تھا کہ اسے کتابیں پڑھنا بہت پسند ہیں وہ اکثر لائبریری میں پائی جاتی ہے۔ مجھے لگتا یہ بھی کوئی کتاب ہے جو خدا کے مقدس ہاتھوں نے لکھی ہے۔ یہ سب بتاتے ہوئے

بوڑھے کا لہجہ کسی پرانی کتاب میں لکھے گئے ورق کی طرح مدھم ہو گیا تھا۔

تمہاری نظر میں کتابیں کیا ہیں؟ وہ کتابوں پر نگاہیں جمائے ہوئے اس سے پوچھ رہی تھی۔

کتابیں ہماری ڈائیریوں کی ایک قسم ہوتی ہیں یا شاید کچھ بھی نہیں ہوتی ہیں وہ بولا۔ اور تب اس نے جانا کہ وہ کتابوں کہ بارے میں کتنا عجیب فلسفہ رکھتی ہے۔ اس کی بات سن کر وہ کہنے لگی۔

کتابیں کچھ نہیں بہت کچھ ہوتی ہیں کتابیں کتابیں نہیں وہ زندہ لوگ ہوتے جہنوں نے ان کو لکھا ہوتا۔ تمہیں پتا ہے کتابیں سانس لیتی ہیں۔۔؟۔

وہ مسکرا دیا تو وہ اپنے سراپے پر اداسی کی چادر کو درست کرتے ہوئے بولی۔ خیام تمہیں سمجھنا چاہیئے کہ یہ جو شیلفوں اور الماریوں میں کتابیں رکھی ہوتی نا یہ کتابیں نہیں بلکہ الماریوں میں سجے وہ لوگ ہوتے جو کتابیں لکھتے ہیں۔ اس کے چہرے پر جیسے کتابوں کے کردار سمٹ آئے تھے اور اس کی اداسی مزید گھنی ہوئی تھی جیسے چمکتے سورج کے سامنے بادل کا ٹکڑا آجائے اور کچھ دیر کے لئے درختوں کی چھائوں اور گھنی ہو جائے۔

وہ کچھ نہیں بولا تھا۔ بوڑھا لائبریرین کتابوں پر سر رکھے اونگھ رہا تھا اور گھڑی کی ٹک جیسے کتابوں میں موجود کرداروں کی دھڑکن لگ رہی تھی۔

تم اداس کیوں رہتی ہو۔۔؟ کچھ دیر کی خاموشی کے بعد اس نے پوچھا۔

وہ مسکرائی اور بولی۔ لڑکیاں اکثر اداس رہتی ہیں۔ ایک بات بتائو کیا تم نے کبھی اپنی لکھی ہوئی کوئی تحریر مٹائی ہے۔ اگر مٹائی ہے تو کیسا لگا تمہیں؟

ہاں کہی بار۔۔ ابھی اسی دن میں نے ایک کہانی لکھی اور پھر مٹا دی اس کہانی میں موجود لڑکی کا کردار چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ مجھے نا مٹائو ادھورا ہی چھوڑ دو، پر میں نے سنگ دلی سے اس کا گلہ گھونٹ دیا۔ میں نے ایسا اس لئے کیا کہ ادھورے لوگ بہت تنہا ہوتے ہیں مجھے کافی اذیت ملی تھی ایسا کرتے ہوئے۔

اس کے جواب پر اس کی آنکھوں میں اداسی کا رنگ مزید گہرا ہوا تھا۔

وہ پھر سے کتابوں کو دیکھ رہی تھی جیسے ان کتابوں کے پیچھے وہی مردہ لڑکی بیٹھی اسے دیکھ رہی ہو۔

وہ اور کتابوں میں سجے لوگ اس کی اگلی بات سننے کے منتظر تھے۔

ایک بات بتائو، کچھ دیر خاموش رہنے کہ بعد وہ بولی۔

تم نے اپنی کہانی میں کسی دوسرے کے کرداروں کو کبھی جگہ دی یا اپنی بنائی ہوئی ڈرائنگ میں کسی اور کے رنگوں کو بھرا ہو۔ یا

کبھی ایسا ہوا ہو کہ تمہیں کسی نے کوئی خواب دیکھنے کو دیا ہو اور تم نے وہ خواب دیکھ لیا ہو۔

کتابوں سے جھانکتے ہوئے لوگ چونکے اور وہ اسے حیرانی سے دیکھتے ہوئے بولا۔

کیسی بات کرتی ہو بھلا کوئی اپنی کہانی میں کسی اور کے کرداروں کو جگہ دیتا ہے یا اپنی بنائی ہوئی ڈرائنگ میں کسی اور کی پسند کے رنگ بھرتا ہے۔

اور خواب تو سب ہی اپنی مرضی کے دیکھتے ہیں کیسے ممکن ہے کہ خواب دیکھنے کو دیئے جائیں۔

اس کے ہونٹوں پر ایک اداسی بھری مسکراہٹ پیدا ہوئی اور وہ بولی۔

ہم لڑکیاں خوابوں کی سیاہی سے دل کے صفحوں پر کہانیاں لکھتی ہیں۔دل پر کسی کی تصویر بناتی ہیں پر پتا ہے اچانک ہماری کہانی میں کردار بدل جاتے ہیں اپنی بنائی ہوئی تصویر میں کسی اور کی مرضی کے رنگ بھرنے پڑ جاتے ہیں۔ہم محبتوں کا لباس چاہتوں کے دھاگوں سے بنتی ہیں۔اور پھر کسی دن اس لباس کو ادھیڑنا پڑ جاتا ہے۔ہم لڑکیاں اتنی معصوم اور بے بس ہوتی ہیں کہ برسوں سے دیکھا گیا ہمارا خوبصورت خواب ہم سے چھین لیا جاتا ہے اور بدلے میں کوئی بھی اور کسی کا بھی خواب ہمیں دیکھنے کے لئے دیا جاتا ہے اور ہم اس خواب کو دیکھنے پر مجبور ہو جاتی ہیں۔اس لئے ہم اکثر اداس رہتی ہیں اور کبھی کبھی اس اداسی کو چھپانے کے لئے قہقہے لگاتی ہیں تاکہ اس چھینے گئے خواب کی چیخوں کو اس قہقے کی آواز میں دبا سکیں۔

اس کے لہجے میں اداسی گھل گئی تھی اور کتابوں کے سارے عنوانات جیسے بھیگنے لگے تھے۔

وہ اس سے پوچھنا چاہتا کہ کیا اس کی آنکھوں میں بھی کوئی خواب سانس لیتا ہے۔کیا اس کے دل کی فریم میں بھی کسی کی تصویر لگی ہے۔کیا وہ بھی کسی لئے چاہتوں بھرا لباس بنتی ہے، پر وہ نہیں پوچھ سکا تھا،اس کے اندر کے کسی نامعلوم خوف نے اس کی زبان کو جکڑ لیا تھا۔

کچھ دیر وہ خاموش رہی اور پھر جانے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی اسے خدا حافظ بول کر چلی گئی جیسے نشیب میں کوئی ندی گم ہو جاتی ہے۔اور وہ کرسی پر بیٹھا اسے یوں جاتا دیکھتا رہا جیسے ندی کی پیٹھ پر چمکتا سورج اسے خاموشی سے جاتا دیکھتا رہتا ہے۔

(ناول سلوٹ زدہ خواب سے ایک پیرگراف)

☆☆☆☆☆

خالی سگریٹ

وہ ان تھکی ہوئی نظروں کا سامنہ کرنے سے اب ڈرنے لگا تھا جن میں امیدوں کے چراغ ایک ایک کر کے بجھنے لگے تھے۔ روز وہ ڈگریوں کی فائل بغل میں دبا تاماں کی امیدوں اور دعائوں کے ساتھ آفسوں کی خاک چھانتا اور سرج ڈھلتے ہی خالی ہاتھ گھر کی طرف جب چلنے لگتا تو اس کے قدموں تلے کی زمین ماں اور بہنوں کی خالی نظروں کے بوجھ تلے جیسے سرکنے سی لگتی تھی۔

آج بھی وہ تھکا ہرا جب گھر کے دروازے میں داخل ہوا توماں کی پر امید نظروں کو اپنی جانب تکتے دیکھ کر نظریں چرا گیا۔

آخر وہ اور کیا کر سکتا تھا۔۔؟؟

وہ ایک مڈل کلاس فیملی سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کا باپ ایک 'مِل' میں ملازم تھا۔ ساری عمر اس نے اور اس کی ماں نے اپنی ضرورتوں کو پھانسی چڑھا کر اور اپنے زیاور کو فروخت کر کے اسے تعلیم کے زیار سے آراستہ کیا تھا۔

کمرے کی چھت کو گھورتے ہوئے وہ مسلسل ایک ہی بات سوچ رہا تھا تعلیم کا زیور اس شہر کی منڈی میں کھوٹا سکہ ہے جسے کوئی بھی نہیں خرید رہا۔

اسے رشوت اور سفارش کا کوئی سنار نہیں ملا تھا۔

وہ دیکھ رہا تھا کہ بہنوں تیزی سے عمر کے مراحل طے کرتی جا رہی ہیں اور ماں کی دھندلی ہوتی نظر میں ان کے مستقبل کا خوف وہ آسانی سے دیکھ سکتا تھا۔

ہ اپنی ماں یا بہنوں کے لئے کیا کر سکتا تھا؟؟

ابھی کل ہی اس کی بہن کے لئے ایک رشتہ آیا تھا۔

اچھے خاصے کھاتے پیتے گھرانے کے لوگ تھے۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے۔ لڑکا ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں ملازم تھا۔ اسے اور اس کی ماں کو خاندان اور لڑکا پسند آئے تھے۔

رشتے کی بات طے ہونے لگی تو رشتے کرانے والی مائی سکینہ ایک دن ایک لمبی سے لسٹ اس کی بوڑھی ماں کے ہاتھوں میں پکڑا دی، جس میں وہ ساری چیزیں لکھی تھیں جو وہ جہیز میں لینا چاہتے تھے۔

ماں کے کانپتے ہاتھ اس کاغذ کے ٹکرے کا بوجھ اٹھانے سے قاصر تھے۔

اور اس کے جان کاندھے بھی اس بوجھ سے ڈھے گئے تھے۔

بہن کی آنکھوں نے اسے بتادیا تھا کہ یہاں ایک زندہ انسان کی قیمت مادی چیزوں سے بہت کم ہے۔

کیا غریبوں کی بیٹیاں اتنی عرضاں ہوتی ہیں۔۔۔؟؟

کئی سوال اس کے من کو ڈستے رہے تھے جن کے جوابات میں ایک تکلیف دہ خاموشی کے علاوہ کچھ بھی نہ تھا۔

وہ یہ سوال معاشرے سے پوچھنا چاہتا تھا۔ لیکن اس کی آواز سماج کے شور تلے دب کر کراہنے لگتی تھی۔

بھیا چائے۔

چھوٹی کی آواز نے اسے چونکا دیا جو ہاتھ میں چائے کا پیالہ پکڑے اس کے پاس کھڑی تھی۔

شکریہ گڑیا۔ مجھے اس کی طلب ہو رہی تھی۔

وہ زبردستی مسکرایا۔

بھیا کل عائشہ کی شادی ہے اور آپا کہہ رہی ہیں ان کی طبعیت ٹھیک نہیں وہ وہاں نہیں جائیں گی۔ پر مجھے وہاں جانا ہے۔ آپا اپنی دوست کی شادی میں جائیں نہ جائیں پر میں تو اپنی دوست کی بہن کی شادی پر ضرور جائوں گی۔

چائے کی پیالی اس کے ہاتھ میں پکڑاتے ہوئے اس کی چھوٹی بہن نے اسے بتایا۔

کیوں نہیں گڑیا۔

تم جانا۔ تمہاری آپا بیمار ہیں اس لئے وہ جانا نہیں چاہتی ہوں گی اگر وہ ٹھیک ہوتیں تو ضرور شادی میں جاتی۔

اس کی چھوٹی بہن کچھ دیر وہاں بیٹھی باتیں کرتی رہی اور پھر اٹھ کر چلی گئی۔

وہ جانتا تھا کہ اس کی بہن کیوں نہیں شادی پر جانا چاہتی ہے۔ ا

ایسی محفلوں میں لوگ زخم کریدنے بیٹھ جاتے ہیں۔

بیٹی تمہاری شادی نہیں ہوئی ابھی تک۔ ؟؟؟ ہاہائے۔ دیکھو تو اچھی خاصی عمر ہو گئی ہے۔

ضرور کوئی بات ہو گی تبھی اب تک گھر میں بیٹھی ہوئی ہے۔ شریف لڑکیاں زیادہ دیر ماں باپ کے در پر نہیں پڑی رہتی ہیں

۔

اس جیسے نجانے کتنے نشتر سینے میں اتار کر غریبوں کی بیٹیاں اندر ہی اندر ہی خون تھوکتی رہتی ہیں۔۔

اب جا کر وہ سمجھا تھا کہ جب غریب کے گھر بیٹی پیدا ہوتی ہے تو وہ اتنے ڈر سے کیوں جاتے ہیں۔ اور لوگ مبارک بادیوں کیوں دیتے ہیں جیسے پرسہ دینے آئیں ہوں۔

بچپن مولوی صاحب کہا کرتے تھے

"بیٹا جب پیدا ہوتا ہے تو اللہ آپ کو بازو عطا کرتا ہے، اور جب خدا آپ کو بیٹی دیتا ہے خود آپ کا بازو بن جاتا ہے'

پر لوگ یہ بات کیوں نہیں سمجھتے تھے۔۔؟؟

وہ یہ بات سمجھ نہیں پایا تھا۔

☆☆☆☆

شور سے اس کی آنکھ کھل گئی۔

میں آج پیسے لیکر جائوں گا۔ تمہاری روز روز کی بہانے بازی میں کب تک برداشت کروں۔ یہ تیسرا ماہ گزر رہا ہے۔

وہ باہر نکلا تو دیکھا مالک مکان دروازے پر کھڑا غصے سے لال پیلا ہو رہا تھا۔

اور اس کی ماں اپنے میلے دوپٹے کا کونا مروڑتے ہوئے کچھ کہنے کی کوشش کر رہی ہے۔

کیا مسئلہ ہے ماں۔ کیا ہوا اتنا شور کیوں ہے۔؟

وہ حیرت سے پوچھ رہا تھا،

تو صاحبزادے آج گھر پر ہیں، سنو میاں!

مجھے کل شام تک ہر حال میں کرایہ چاہیئے ہے ورنہ میں کرایہ تو لوں گا ہی پر ساتھ ایک دن تم سب کو یہاں اس گھر میں رکنے نہیں دوں گا۔

چچا آپ کل پیسے لے جانا۔

مالک مکان بکتا جھکتا چلا گیا تو وہ اپنی ماں کی سمت دیکھنے لگا۔

ماں!

یہ کیا ہے۔ کرایہ نہیں تھا تو مجھے بتاتی آپ میں کسی سے ادھار لے کر دیتا۔

اس کی بہنیں جو خوف سے اندر دبکی تھیں باہر نکل آئیں تھیں۔

وہ اپنی بوڑھی ماں کی حالت دیکھ کر اندر تک کٹ گیا تھا۔

بیٹا پیسے تھے پر وہ میں نے تمہیں دیئے تھے کہ نوکری مل جائے گی تو اگلے ماہ اس کا کرایہ ادا کر دیں گے۔ پر تمہیں نوکری۔۔

اس کی ماں نے ماتھے پر آئی پسینے کی بوندوں کا اپنے میلے دوپٹے سے صاف کرتے ہوئے بات ادھوری چھوڑی۔

احساس ندامت نے اس کی آنکھیں شرم سے جھکا دیں تھیں، وہ اپنی ماں اور بہنوں سے نظر نہیں ملا پا رہا تھا۔

تو فکر نہ کر پتر میں کل کچھ پیسے لوں گی کسی سے اور اسے دے دوں گی۔رب کرے گا تمہیں جلدی ہی کوئی اچھی سی نوکری مل جائے گی اور سب اچھا ہو جائے گا۔

اس کی ماں نے اسے ڈھارس دینے کی کوشش تو وہ خاموشی سے باہر نکل آیا۔

اور سڑک پر بے وجہ چلنے لگا۔

اس کے دماغ میں آندھیاں چل رہی تھیں۔

آخر ایسا کب تک ہوتا رہے گا۔وہ اپنی طرف سے پوری کوشش کر رہا تھا ہر جگہ جا رہا تھا۔فرسٹ کلاس ڈگری تھی اس کے پاس وہ میرٹ پر پورا اترتا تھا پر اس کی کے پاس سفارش نہیں تھی۔جو اس کی ڈگری کی ویلیو سے زیادہ اہم تھی۔

وہ آگے جا کر ایک بینچ پر بیٹھ گیا۔

کل اس کا ایک جگہ انٹرویو تھا۔اس نے سوچ لیا تھا کہ اگر کل بھی وہ ہار جاتا ہے تو پھر کسی جگہ مزدوری کرنے چلا جائے گا۔وہ مزید اپنی ماں پر بوجھ نہیں بن سکتا تھا۔

☆☆☆☆☆

ایک خاتون اور دو مرد اس کے سامنے بیٹھے تھے۔کمرے ائیر کنڈیشن کی خنکی پھیلی ہوئی تھی اور وہ دو گھنٹے جون کی اس تپتی دوپہر میں بسوں پر دھکے کھا کر وہاں پہنچا تھا۔

سر یہ میری ڈاکومنٹس ہیں ڈگری وغیرہ۔

اس نے فائل سامنے کی۔

دیکھتے ہیں بھئی جلدی کیا ہے۔مڑی ہوئی ناک والے بندے نے جس کے سر کے بال آدھے گر چکے تھے اطمینان سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

تو آپ کیا کرتے ہیں۔؟

دوسرے مرد نے نار،مل انداز میں پوچھا جو بڑے ریلیکس انداز میں کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔

جی میں نے بزنس میں ماسٹرز کی ڈگری حاصل کی ہوئی ہے اور۔

اپنی ڈگری کو چھوڑو تم۔

اس شخص نے بدمزہ ہو کر کہا تو وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔

ڈگری کا کیا ہے وہ تو جعلی بھی مل جاتی ہے۔پہلے والے مرد نے معنی خیز انداز میں تو کہا سب کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل

گئی۔

"آپ کھانا پکانا جانتے ہیں۔۔؟؟؟

بیگ سے آئینہ نکال کر اپنے چہرے کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے خاتون نے اس سے سوال کیا تھا اور وہ گڑبڑا گیا تھا۔

اس جاب کا ان سوالوں سے کیا کام۔۔؟؟

وہ الجھا۔

بولو بھائی مادام نے آپ سے سوال پوچھا ہے ایسے ہونقوں کی طرح کیا دیکھے جا رہے ہو۔۔؟؟؟

عینک کے پیچھے سے گرے ہوئے بالوں والے بندے نے اس گھور کر کہا۔

جج جی نہیں۔میں کھانا نہیں بناتا۔

وہ بس اتنا ہی کہہ سکا تھا۔

لو بھئی۔۔ہم تمہیں کون سا یہاں کُک رکھنے والے ہیں جو یا کہنے والے ہیں ہمارے لئے کھانا بنائو۔

خاتون نے بے نیازی سے کہا تو دونوں مرد بے ساختہ ہنس پڑے۔

اسے لگا جیسے وہ اس کے ساتھ مذاق کر رہے ہوں۔

پینل کے ارکان کے چہروں سے ساف واضح تھا کہ سلیکشن ہو چکی ہے اور اب وہ فارمیلٹی پوری کر رہے ہیں۔

اچھا ایک بات بتائو۔

گنجے،مرد نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

اگر تمہیں یہ جاب دے دی جائے تو تم اس کمپنی کے لئے کیا کروں گے۔؟؟

جی میں پوری دیانت سے اپنا کام کروں گا۔

اس نے پر اعتماد لہجے میں کہا تو سب ایک بار پھر ہنس پڑے۔

اور اگر ہمیں دیانت اور امانت کی ضرورت نہ ہو تو۔۔؟؟

اس نے نہ سمجھنے والے انداز میں ان سب کو دیکھا۔

دیکھو بھائی اس دور میں دیانت اور مانت کوئی معنی نہیں رکھتی ہے۔اس پوسٹ کے لئے دینے والوں نے لاکھوں روپے کی آفر کر رکھی ہے۔

انہوں نے بات گھما کر کی۔

وہ سمجھ گیا کہ وہ کیا کہنا چاہتے ہیں۔

ڈھکے چھپے انداز میں وہ اس سے پوچھ رہے تھے کہ وہ انہیں کیا دے سکتا ہے۔ اس کے پاس تھا ہی کیا جو وہ انہیں دے سکتا تھا۔ اس ڈھری کے علاوہ اس نے اور کچھ کمایا ہی نہیں تھا اور یہ ڈگری تو اس بازار میں کاغذ کے ٹکڑوں کے علاوہ کوئی بھی قیمت نہیں رکھتی تھی۔

اچھا بھئی تم جائو۔ اگر تم سلیکٹ ہوئے تو تمہیں لیٹر مل جائے گا

خاتون نے بے نیازی سے کہا تو وہ فائل اٹھائے باہر نکل آیا۔

اسے مزید دھکے کھا کر اپنے گھر تک جانا تھا۔ گرمی ایسی تھی کہ جیسے سورج نصف نہار پر ہو۔

پتا نہیں اس ملک میں غریبوں کی تقدیر کب بدلے گی۔

دل میں سوچتے ہوئے وہ تھکے ہارے قدموں سے آفس کی سیڑھیاں اتر آیا۔

☆☆☆☆☆

گھر کے قریب پہنچ کر اس کی ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ گھر جاتا اس لئے اس کے قدم بے اختیار اس ٹوٹی ہوئی عمارت کی طرف بڑھنے لگے جسے ٹی ایم اے نے توڑ رکھا تھا۔

وہاں اس کے کچھ دوست بیٹھے دھواں اڑ رہے تھے۔

آ گئے بابو صاحب۔

اسے دیکھتے ہیں فرحان نے طنز کیا تو وہ تپا۔

رہنے دے یار کیوں تنگ کرتا ہے بیچارے کو۔

طلحہ نے فرحان کو ڈانٹا اور اپنے پاس خالی جگہ پر اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

وہ تھکے ہوئے انداز میں وہاں گر گیا۔

اس ملک میں ہم جیسوں کے نصیب میں سوائے دھکوں کے اور کچھ نہیں ہے۔ وہ شکستہ لہجے میں کہہ رہا تھا۔

دوستوں نے سر ہلا کر اس کی تائید کی۔

چھوڑ یار یہ پکڑ سگرٹ اور کش لگا غم بھلا۔

فرحان نے اسے سگرٹ پیش کیا۔ نہیں یار اس لت سے دور ہی ٹھیک ہوں میں۔

اس نے ہمیشہ کی طرح انکار کیا۔

ارے خالی ایک سگرٹ ہے کچھ دیر کے لئے ریلیکس ہو جائے گا۔ پی لے بیٹا یہ غموں کو دھواں کر کے اڑا دیتا ہے۔

اس کی حالت آج ایسی تھی کہ انکار کر سکا۔

اس لئے فرحان کے ہاتھ سے سگرٹ لیا اور کش لگانے لگا۔

ایک دھواں سا اس کے دماغ میں پھیل گیا اور اسے لگا جیسے وہ ہواؤں میں اڑ رہا ہے۔

وہ کچھ دیر ان کے پاس بیٹھا رہا اور پھر اٹھ آیا۔

پھر اس کا معمول بن گیا کہ وہ ان کے پاس آجاتا اور سگرٹ پیتا رہتا۔

یار ایک کام کر کے تو کچھ پیسے بنا سکتا ہے۔ ایک دن وہ ان کے پاس بیٹھا سگرٹ پھونک رہا تھا کہ فرحان نے اسے کہا۔

کون سا کام۔۔؟؟

فرحان نے جیب سے ایک تھیلی نکالی جس میں کوئی پوڈر تھا۔

یہ تمہیں دوسرے شہر لے جانا ہے۔

اس کام کے بدلے تمہیں دس ہزار ملیں گے۔

دس ہزار۔۔وہ بری طرح چونکا۔

اس کی نظر میں اپنی ماں اور بہنوں کی شکل گھوم گئی تھی۔ مہینہ ختم ہونے والا تھا ماں بیمار تھی اور آج گھر سے نکلتے ہوئے اس نے کہا تھا گھر میں راشن ختم ہو گیا۔

ٹھیک ہے اس نے ہامی بھری۔

یہ ہوئی نامردوں والی بات۔ فرحان نے اس کے کاندھے پر تھکی دیکر طلحہ کو دیکھا جو مسکرا رہا تھا۔

لو یہ اور ابھی نکل جاؤ تاکہ شام تک واپس آسکو۔

وہ اس تھیلی کو جیب میں ڈال کر باہر نکل آیا اور بس اسٹیشن کی طرف چلنے لگا۔

اس کے جاتے ہی فرحان نے جیب سے موبائل نکالا اور کان سے لگایا۔

مرغا نکل چکا ہے ہلال کر دو۔

جنید راستے میں ہی تھا کہ ایک پولیس وین اس کے سامنے آر کی اگلے ہی لمحے وہ پولیس کی حراست میں تھا۔

پولیس والا وائرلس پر کسی کو بتا رہا تھا۔

سر ایک ڈرگ ڈیلر پکڑا گیا ہے اور اسے دس کلو چرس اور دیگر نشہ آور چیزیں برامد ہو چکی ہیں۔

دس کلو۔اس کا دماغ گھوم گیا۔

میرے پاس تو یہی تھا وہ چلایا۔

پولیس والے اسے جواب میں لات رسید کی۔

حرام زادے زبان چلاتا ہے۔

اگلے کچھ گھنٹے جنید پر بھاری تھے اسی بری طرح پیٹا گیا تھا اور پریس کے سامنے اسے پیش کر کے پولیس نے اپنی اعلیٰ کارکردگی کا ثبوت پیش کیا تھا۔

اس کی بوڑھی ماں اور بہنیں پریشان تھیں کہ وہ شام تک گھر نہیں لوٹا تھا۔

وہ نہیں جانتی تھیں آج ایک اور بیٹا اور بھائی اس معاشرے میں پھیلے ظلم اور بھوک کی بھلی چڑھ چکا تھا۔

جنید جیسے جانے کتنے لڑکے سماج میں پھیلی اس نا انصاف کی آگ میں جل چکے تھے ان کا حساب ممکن نہ تھا۔خالی ایک سگرٹ نے ایک گھر کی بنیاد ہلا ڈالی اور ایک پورے گھر کی امید بجھا ڈالی۔

یہ کھیل کب جاری رہنا تھا کوئی نہیں جانتا،جانے اور کتنے جنید اس آگ کا ایندھن بنتے اور جانی کتنی اور مائیں بہنیں اپنے پیاروں کو یوں کھوتی رہتیں۔

جنید کو دس سال قید کی سزا ہو چکی تھی۔اس کے لاکھ چیخنے چلانے کے باوجود کہ سارے ثبوت اس کے خلاف تھے۔

اور یوں ایک سگرٹ نے معاشرے کے ایک کارآمد فرد کو جیل میں بند کر دیا۔کون جانتا تھا کہ دس سال جیل میں گزانے کے بعد جنید پکا مجرم بن کر نکلتا قتل سے لیکر بن دھماکوں اور ڈاکوں تک میں وہ شامل ہو جاتا۔

پر کسے پرواہ تھی اور کون سنتا تھا،

یہ سماج انسانوں کا تھوڑی تھا یہاں تو بن مانس بستے تھے جن کے سینوں میں دل نہیں پتھر ہوتے ہیں۔

نظم سی لڑکی

گہری رات میں چار سو خوابوں کی مہک پھیل رہی ہے۔
اور میں میز پر پڑی ادھوری کہانیوں میں موجود کسی مکمل کردار کو کھوج رہا ہوں۔۔۔ جو میرے لئے ایک کپ چائے بنا سکے۔۔۔ پر وہ سب مجھ سے روٹھے ہوئے کردار ہیں۔
اور وہ نظم جیسی لڑکی جو میری آکثر کہانیوں میں لفظوں کی طرح موجود ہوتی ہے۔۔ وہ بھی مجھ سے روٹھی ہوئی ہے۔۔
میں اس سے کہتا ہوں
آؤ مجھ سے بات کرو
تب وہ کتاب سے جھانک کر مجھے دیکھتی ہے
اور نگاہوں سے کہتی ھے
میں تم سے روٹھی ہوئی ہوں۔۔ اور تم چاہتے ہو کہ میں تم سے باتیں کروں؟
میں حیرت سے اسے تکتا ہوں۔
کیوں روٹھی ہو تم مجھ سے؟
میں پوچھتا ہوں
تب اس کی بڑی بڑی آنکھیں یک دم سانس لینے لگتی ہیں اور ان سانسوں کے آواز کہتی ہے۔
تم نے میرا نام کیوں نہیں رکھا؟
میں اس کی طرف دیکھتا ہوں اور پھر کہتا ہوں
مجھے اچھا نہیں لگتا کہ تمہارا نام ہو۔۔۔ تمہیں نام دیا تو لوگ بھی تمہیں اس نام سے پکاریں گے۔
اور میں چاہتا ہوں کہ تمہارا نام میرے دل کے لبوں سے ہمیشہ ادا ہو۔۔
میں خفیا پیغامات پر یقین رکھتا ہوں جس بنا نام کے بھی میں تمہاری خوبصورت آنکھوں میں پڑھتا ہوں اور تمہارا نام ان مقدس کلمات کی طرح ہیں جن کا معنی خالق جانتا ہے۔
تمہیں کوئی نام دیا تو اس کے معنی لوگ سمجھ لیں گے۔

وہ کتاب کے صفحوں سے نکل کر میرے پاس آ بیٹھتی ہے۔

لوگ تمہاری باتیں کیوں نہیں سمجھتے؟

وہ پوچھتی ہے

تب میں اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیکر اس کی سانسوں میں اتر جاتا ہوں اور پھر اس کے دل میں سرگوشی کرتا ہوں۔

لوگ ڈائیرا ان نہیں لکھتے اس لئے وہ میری باتیں نہیں سمجھتے۔

تب وہ اپنی دھڑکنوں سے مجھے ہم آہنگ کرتی ہے اور اس کا دل جوابی سرگوشی کرتا ہے۔

تم مجھ سے محبت کرتے ہو جانتی ہوں۔ پر یہ پیکر خیالی ہے۔

میں اس کی روشن آنکھوں میں دوبارہ آہٹ بن کر سنائی دیتا ہوں۔

تمہاری محبت الہامی ہے۔۔۔ جو خوبصورت ہے۔

تمہارا نام نہ رکھنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ تم میرے ہر جذبے کا عنوان بن جاتی ہو۔

جب میں اداس ہوتا ہوں تم اداسی بن جاتی ہو۔ جب میں خوش ہوتا ہوں تم مسکراہٹ بن جاتی ہو۔ جب میں دھوپ میں ہوتا ہوں تم سایہ بن جاتی ہو جب میں تنہائی میں ہوتا ہوں تم دوسرا کردار بن جاتی ہو۔

میں تمہیں ایک نام دیا تم اسی میں مقید ہو جاؤ گی۔

مجھے ڈر لگتا ہے کہ اگر ایسا ہوا تو تمہارا دم گھٹ جائے گا۔

وہ محبت سے مسکراتی ہے۔

اس کی مسکراہت سے ستاروں کی طرح میری زندگی کے آسمان پر جا بجا روشن ہوتی ہے۔

کمرے کی تاریکی میں ان تاروں سے معدوم سے روشنی پیدا ہوتی ہے۔

اس کے خدوخال تاریکی سے ابھر کر میری آنکھوں کے خالی کینوس پر ابھرتے ہیں

تب اس کے لبوں سے صبح کاذب کی نرم ہوا جیسے الفاظ مجھے چھوتے ہیں۔

تمہاری چاہت خیالی ہی معتبر ہے۔

میں تمہاری دنیا کو دیکھتی ہوں۔۔ وہاں لوگ محبت کو رسم سمجھ کر نبھاتے ہیں۔۔ پر محبت تو عبادت ہے اسے رسم جیسی بدعت کیوں کر بنانا۔ تمہاری دنیا بڑی نفرت انگیز ہے۔۔ وہاں شر ہے۔

تم اگر کسی دنیا کی لڑکی سے محبت کرو تو وہ تمہاری محبت کو دیوانے کی صدا سمجھ لے۔

پر میں چاہتی ہوں تم محبت کرو۔

میں اس کی باتوں کو توجہ سے سنتا ہوں۔

پھر جب وہ چپ ہو کر میرے سینے سے آ لگتی ہے اور اس کا لمس کسی روشنی کی طرح میرے اوپر ہالہ کرتا ہے تو میں اسے کہتا ہوں۔

مجھے محبت لکھتے ہوئے برسوں بیت چکے۔۔پر جب کبھی میں نے محبت کو چھونا چاہا۔۔اس کے کانٹوں نے میرے خیال کی چادر ادھیڑ ڈالی۔اب میں ڈرتا ہوں محبت سے۔۔

تب وہ میری پیشانی پر اپنے غیر مرائی ہونٹوں سے بوسہ دیتی ہے۔اور مجھے لگتا ہے جیسے میں کسی آبشار کے نیچے کھڑا ہوں جس کی نرم بوندوں کا احساس روح تک کا سفر کرتا ہے۔

میں اس کے وجود کی ہر بوند کو اپنے اندر اتار لیتا ہوں۔

ہمارا لمس ایک دوسرے میں دریا کی لہروں کی طرح سما جاتا ہے۔

تب میں اسے کاغذ پر اتار دیتا ہوں۔

وہ لفظوں کی نبض میں ڈوب جاتی ہے۔

ھم دونوں ایک دوسرے کو آخری بار دیکھتے ہیں۔

جب وہ سطروں کی میں تحلیل ہو جاتی ہے تو میں اٹھتا ہوں۔

کھلی ہوئی کھڑکی سے باہر جھانکتا ہوں۔

اور پھر ایک نظر ان لفظوں کو دیکھتا ہوں جن میں وہ دھڑک رہی ہوتی ہے۔

تب میرے اندر اس کی آواز سنائی دیتی ہے۔

میں وہاں نہیں یہاں ہوں۔۔تمہارے اندر۔

میں مسکراتا ہوں۔

اور آنکھیں بند کرتا ہوں۔

ہماری دوسری ملاقات خوابوں سے بھرے کھیتوں میں ہوتی ہے۔

جہاں میں اور وہ۔۔۔احساس کی پگڈنڈیوں پر ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے میلوں چلتے رہتے ہیں۔۔۔بس چلتے رہتے ہیں۔۔

پھر وہ لڑکی

چلتے چلتے میرے ساتھ حقیقت کی سرحد پر آجاتی ہے

اور تب وہ میرے ہونٹوں پر الوداعی بوسہ دیتی ہے۔

اور میری آنکھ کھل جاتی ہے۔

اور اگلی ملاقات تک

اس کے ہونٹ میرے ہونٹوں پر دعا کی صورت ٹھہر جاتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

کہیں ایک ملاقات

وہ دھوئیں میں سے کہیں نکل کر آئی اور اس کے پاس آکر بیٹھ گئی۔

ایک نظر اس کے ہاتھ میں جلتے سگریٹ کو دیکھا اور بولی۔

تم یہاں بھی ویسے کے ویسے ہی ہو۔۔

وہ چونکا۔

ہاں یقیناً

کیوں کے کچھ لوگ مرنے کے بعد بھی نہیں بدلتے۔

تم کیسے مرے۔۔؟

یہ تو مجھے یاد نہیں۔اس نے کاندھے اچکائے اور دائیں بائیں دیکھتے ہوئے بولا۔

مجھے نہیں لگتا کبھی میں زندہ تھا۔

زندگی اک وہم ہے جو سارے جہاں کو ہے۔

وہ ہنسی اور بیگ سے آئنہ نکال کر ہونٹوں پر لپ سٹک درست کرنے لگی۔

تم بھی نہیں بدلی۔۔آئنہ ابھی تک ساتھ رکھتی ہو۔

وہ بغور اسے دیکھ رہا تھا۔

تم ہی نے کہا کہ کچھ لوگ مر کر بھی نہیں بدلتے۔میں بھی ان میں سے ہوں۔

اچھا۔۔۔اس نے ہنکارہ بھرا اور سگریٹ کا دھواں اپنے اندر انڈیلا۔

شاید بارش ہو۔۔کچھ دیر بعد وہ بولا تو اس کی نظر اوپر اٹھی۔۔

ہونہہ۔۔۔اوپر نہ آسمان ہے نہ بادل۔

تاحد نگاہ خلاء ہے۔۔بارش کہاں ہوگی۔۔وہ بھی یہاں۔

وہ مسکرایا۔

بارشیں آسمان بادل، اور پانی کے بغیر بھی ہوتی ہیں۔

ایسی بارشوں میں تن نہیں من بھیگتے ہیں۔

اچھا چھوڑو۔

یہ بتاؤ کب اور کیسے مرے اس نے دوبارہ پوچھا؟؟۔

وہ دیر خاموش رہا

پھر بولا۔

مجھے یاد نہیں۔اصل میں ایک بار نہیں زندگی میں کہی بار مرا ہوں۔اس لئے یاد نہیں رکھا کہ کب مرا اوت کتنی بار مرا۔

ویسے بھی مرنے کہ بعد یہ یاد رکھنا کہ کب مرے فضول ھے۔۔مر گئے بس۔۔

اچھا یہ بتاؤ کہ پہلی بار کب مرے تھے..؟

پہلی بار۔۔؟

اس نے ایک لمحے کو سوچا اور پھر کہنے لگا۔

جب میں پہلی بار مرا تب میری عمر سات سال چھ ماہ اور یہی کوئی آٹھ دن ہوگی۔

میرا باپ میری سکول کی کتابیں لانے گیا اور واپس راستے میں موت نے زندگی کی کتاب سے اس کا صفحہ پھاڑ دیا۔

اس کے ہاتھوں سے میری کتابیں گریں۔

بہت بعد میں جب میں لوگوں کے بوٹ پالش کرتا تھا تو سوچتا تھا بابا کے ہاتھ سے میرا بچپن گر کر ٹوٹا تھا کتابیں تو بہانا تھیں۔

سوسیڈ

وہ اداس ہوئی۔

کچھ دیر ان دونوں کی خاموشی ایک دوسرے سے بات کرتی رہی پھر وہ دوبارہ بولی۔

تو آخری بار کب مرے تھے۔۔؟؟

آخری بار میں ایک کہانی لکھتے ہوئے اس میں مرا تھا

تم یہاں بھی الجھی ہوئی باتیں کرتے ہو۔۔آسان لفظوں میں بتاؤ کیسے مرے تھے۔بھلا کہانی میں کوئی مرتا ھے۔۔؟

اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں موت کے بعد بھی کافی سوال تھے۔

وہ ہنسا تو اس کی آواز خلاء میں کہیں ہانپنے لگی۔

پھر بولا۔

ایک کردار لکھ رہا تھا۔

کچرے کی ڈھیر سے پرانی باسی روٹی چنتے ہوئے بچے کی کہانی۔

پھر اچانک مجھے احساس ہوا کہ اسے مار دینا چاہئے۔

اس لئے میں نے اس کا روڈ ایکسیڈنٹ کروا کر مار دیا۔

تو اس سے تمہارا کیا تعلق مرا تو وہ بچا نا۔۔؟؟۔

وہ مزید الجھی

سنو تو بات ٹوکنے کی عادت یہاں تو چھوڑ دو۔

ہاں سناؤ۔

اس گاڑی کا ڈرائیور ہمارا معاشرہ تھا۔ جو دانت نکوسے مجھے دیکھ رہا تھا۔

اس کے ٹائر جبر کے تھا اور اس کا انجن ظلم کا تھا۔

وہ بڑا قاتل اور شاطر تھا۔

اس نے بہت سارے قتل کر رکھے تھے۔۔

پر وہ انصاف کے کٹہرے میں نہیں آتا تھا۔

میں نے اس پر کیس کر لیا۔

پھر یوں ہوا کہ منصف بھی اس کا حامی نکلا۔

الٹا مجھے پھانسی کی سزا ہوئی کہ میں نے وہ قتل کیا تھا۔

بات تو سچ تھی قاتل تو میں تھا۔

پھر مجھے اندھی بہری قوم کے سامنے سولی چڑھا دیا گیا۔۔

مجھے دکھ مرنے کا نہیں۔۔ دکھ یہ ھے کہ قوم زبانیں بولتی تھیں۔

خیر چھوڑو

تم یہاں کیسے ؟۔

بات کے اختتام پر اس نے سر جھٹکا

بس آگئی

اس نے کاندھے اچکائے۔

کیسے۔؟۔

اس نے پوچھا۔

میں کسی کے بستر کی شکنوں میں مری تھی۔

اس نے زخمی لہجے میں کہا۔۔

اچانک ریل کی آواز نے ابدیت کی تمہید باندھی۔

وہ جانے کے لئے اٹھا کھڑا ہوا

مجھے جانا ھے۔تم بھی میرے ساتھ آسکتی ہو۔

نہیں۔

اس نے نفی میں سر ہلایا۔

میرے ساتھ کچھ کم سن بچیاں بھی ہیں۔۔جو چند بدبودار قطروں کا خراج ادا کرنے یہاں آرہی ہیں۔

اس کے لہجے نے خون تھوکا۔

تمہیں ان کی کہانیاں لکھنا چاہیے۔

اس نے ایک نظر اسے دیکھا اور ریل میں داخل ہوتے ہوئے بولا۔

کہانیاں اتنی تلخی کو سہہ نہیں پاتی ہیں اور لوگوں کی زبانیں آج کل شیریں کہانیوں کا ذائقہ چکھ چکی ہیں اس لئے وہ اپنے منہ کا ذائقہ خراب نہیں کرنا چاہتے۔۔

یہ کہانیاں کسی اور عہد کے انسان نے لکھنی ہیں۔

یہ عہد انسانوں کا جو نہیں۔۔

وہ ریل میں سوار ہوا اور ریل اسے لیکر دھند میں غائب ہوگئی۔

اور پیچھے اس کا کہا گیا جملہ رہ گیا۔

یہ عہد انسانوں کا نہیں

☆☆☆☆☆

مٹھی بھر رات

کہنے لگی، آخر یہ چپ کا سوگ آخر کب تک۔ کیا کوئی مر گیا ہے جو تم نے بولنے اور لکھنے سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔۔؟

میں بولا۔

یہ چپ اصل میں بولتی ہوئی گڑیا کی طرح ھے جس کی باتیں کوئی نہیں سمجھتا۔ اور یہ سوگ کسی کی وفات کا ہرگز نہیں ہے یہ سوز ھے جو خاموشی کے پیراہن پہن کر سننے والوں سے گفتگو کرتا ہے۔

بولی۔

میں چاہتی ہوں تم خاموشی کو چھوڑ دو اور کچھ کہانیاں ایسی لکھو جو میرے لئے ہوں۔ کچھ رنگوں سے بھرپور ملن کی چاشنی لئے۔ یہ کیا بات ہے کہ تم جب بھی کہانی لکھتے ہو اس میں اداسی اداس کر دیتی ہے۔ کیا تمہیں نہیں لگتا کہ میرے لئے تم کچھ اچھی کہانیاں لکھ سکتے ہو۔۔؟

میں نے کہا

میں خاموشی کو چھوڑنا چاہتا ہوں لیکن یہ آکاس بیل کی طرح میرے وجود سے لپٹ جاتی ہے اور کسی بچے کی طرح ہچکیوں میں رونے لگتی ہے ایسے میں میرا دل نہیں کرتا کے اس کو جھٹک دوں

تم نہیں جانتی ہو کہ آنسوؤں کا رائگاں چلے جانا کس قدر اذیت ناک ہوتا ہے۔ آنسو بظاہر تو شفاف ہوتے لیکن ان میں کتنا دکھ اور بے چارگی ہوتی کوئی نہیں جانتا ھے۔

اور تمہارے لئے میں کون سی کہانی لکھوں؟

تمہارے خدوخال میں کہانی کہیں بھی نہیں ھے۔ تم کہانی ہو ہی نہیں۔

تم نظم کی طرح ہو جسے کہنہ مشق شاعر بڑے سلیقے سے ترتیب دے کر قواعد وضوابط میں باندھ کر جب پڑھے تو اک سماں باندھ لے۔

وہ بولی۔،

چھوڑو یہ دامن چھڑانے کی باتیں ہیں۔ آخر تم ہی بتاؤ کہ وہ کون سا آئینہ ہے جس میں خود کو دیکھ کر میں کہانی جیسی لگوں یا

اس میں سنور کر کہانی بن جاؤں۔

میں بولا۔

آئنوں میں سب بہترین آئنہ آنسو ہے۔خود کو کسی کے آنسو میں دیکھو تو سمجھ لو تم کہانی ہو۔میں نے کبھی کسی لڑکی کو کسی کے آنسوؤں میں نہیں دیکھا یا یوں کہوں کے کسی کے آنسوؤں کو آئینے کی طرح استعمال کر کے ان میں سنورتے نہیں دیکھا۔

وہ بولی۔،

تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آتی ہیں۔کیا تم آسان باتیں نہیں کر سکتے جو میں سمجھ لوں؟

میں نے کہا۔

تم اس پہیلی کی طرح ہو جو بوڑھیاں بچوں پر ڈال دیتی ہیں اور وہ انہیں بوجھ نہیں پاتے۔میری باتیں تم اس لئے ہی نہیں سمجھ سکتی۔

وہ بولی۔

تمہاری اس بات کا مطلب کیا ہے؟کچھ آسان کرو گے؟

میں نے کہا

آسان بات یہ ہے کہ تم خود پہیلی ہو اور خود ہی خود کو بوجھنے بیٹھی ہو۔بھلا کبھی پہیلی نے خود کو کبھی بوجھا ہے۔؟

وہ بولی۔

تم تم مجھے بوجھ لو۔

میں نے کہا۔

تمہیں بوجھنے سے ڈرتا ہوں۔پہیلی جب بوجھ لی جائے تو اسے پرانے کپڑوں کی طرح کہیں صندوق میں پھینک دیا جاتا۔میں چاہتا تم میرے لئے آخری سانس تک پہیلی کی طرح رہو جسے میں روز بوجھنے کی کوشش کروں۔

کہنے لگی۔

رات آنے کو ہے۔اب میں چلتی ہوں۔

میں بولا

تم دن کے کنارے مٹھی بھر رات کی طرح ہوں۔راتیں خواب دیکھنے کے لئے اچھی ہوتی ہیں۔

وہ بولی۔

میں سمجھی نہیں۔

میں نے کہا۔

کبھی سمجھو گی بھی نہیں۔۔!!

☆☆☆☆☆

چُپ کی آواز میں بولتی سرگوشیاں

پوچھنے لگی

اس دن جب میں آئی تو تم کہانی لکھ رہے تھے۔

مجھے بتاؤ کہانی شروع کیسے ہوتی۔۔؟؟

میں نے کہا

کہانی کے بارے میں یہ نہیں پوچھتے کہ وہ شروع کیسے ہوئی۔۔ کہانی تو ساون کی بارش کی طرح ہوتی ہے کب برس جائے کون جانے۔

بولی

لیکن پھر بھی کچھ اندازہ تو ہو سکتا ہے۔۔ یہ تو میرے سوال کا جواب نہ ہوا

میں بولا۔

تمہارا سوال ہی غلط ہے۔ کہانی کا آغاز نہیں انجام پوچھا جاتا ہے۔ کہ انجام میں کیا ہوا۔؟؟

کہنے لگی

اچھا یہ تو بتاؤ وہ کہانی کیسی تھی۔۔؟؟

میں نے کہا

"تیز بارش اور ہوا میں چھتری کو سنبھالتی ہوئی لڑکی کی طرح تھی۔"

بولی

تو کیا مکمل ہو گئی کہانی؟۔

میں بولا۔

نہیں۔۔ ادھوری رہ گئی۔

بولی

تمہاری ادھوری کہانیوں سے مجھے شدید چڑ ہے۔کیوں مکمل نہیں کی۔۔؟؟

میں نے کہا۔

اچانک بارش رک گئی تھی۔دھوپ نکل آئی تو کہانی کی مٹھی بھر چھاؤں سرک کر کسی دور کے دیس جانکلی۔

بولی

وہ کہانی کیسی کہانی تھی۔کیا وہ محبت کی کہانی تھی؟؟

میں نے کہا۔

میں تمہیں کہی مرتبہ بتا چکا ہوں ہر کہانی محبت کی کہانی ہوتی۔محبت کے ڈھانچے پر کہانی کا گوشت چڑھا کر ہی اسے خوبصورت بنایا جاتا۔بنیاد تو محبت ہوتی۔ہاں عمارت میں کچھ دوسری چیزیں شامل کی جاتی ہیں۔

بولی۔

تم محبت کی ہر کہانی ادھوری کیوں لکھتے ہو۔۔؟۔

میں نے کہا۔

کیوں کے محبت تو ہوتی ہی ادھوری ہے۔مکمل تو کہانی ہوتی ہے۔

بولی

گویا جو مل جائے وہ محبت نہیں ہوتی۔

میں نے کہا۔یہ تو اپنی ترجیحات اور خواہشات کی بات ہے۔کچھ پا لینے کو محبت کہتے کچھ جدائی کو۔

بولی

اچھا آج کیا لکھا۔۔؟

میں نے کہا

میں آج چُپ کی زبان سے اٹھتی سرگوشیاں سن رہا ہوں

بولی۔

تو چپ بولتی ہے؟

میں نے کہا

ہاں!۔۔چُپ کی اپنی ایک زبان ہوتی۔کبھی اولاد کے خوف سے ماں باپ کی بولتی ہوئی خوفزدہ چُپ تو کبھی۔۔کوٹھے پر ناچتی

طوائف کے پاؤں میں بندے گھنگھرو کی چُپ۔ کبھی سڑک پر جوتے پالش کرنے والے بچے کی چُپ تو کبھی۔ محبت میں ہار جانے والوں کی خاموش "آنکھوں کی چُپ۔۔۔اس کائنات میں سب زیادہ بولنے والی شے "چُپ" ہی تو ہے۔

بولی

یہ چُپ ہے کیا..؟

میں نے کہا۔

چُپ۔۔اعتراف شکست بھی ہے اور اعتراف محبت بھی۔۔چُپ سچ بھی ہے اور بہت بڑا جھوٹ بھی۔چُپ۔۔ہار جانا بھی ہے اور چُپ رشتے جیت جانا بھی ہے۔

کہنے لگی۔

تمہاری بات ٹوک رہی ہوں۔۔چُپ کو چھوڑو

یہ بتاؤ محبت کی کوئی کہانی مکمل کیوں نہیں ہوتی۔۔؟۔

میں نے کہا

محبت بھی چُپ ہے۔۔کہ چُپ جتنی بھی گہری ہو لگتی ادھوری ہی ہے۔۔اس لئے محبت سکوت جیسی ہے۔۔خاموشی چاہے کتنی بھی گہری کیوں نہ ہو۔۔سکہ گرنے کی معمولی آواز سے بھی ٹوٹ جاتی ہے۔

بولی۔

تم چُپ کو چھوڑو۔

مجھے بتاؤ "لمس" کیا ہے

میں نے کہا۔

لمس خواہش ہے۔ کبھی روح کی تو کبھی جسم کی۔

بولی

کیا محبت کا بھی "لمس" ہوتا۔

میں نے کہا ہاں۔

جیسے محبوبہ کے ہونٹوں پر بوسہ دینا تروات ہے۔

اس کی پیشانی پر بوسہ دینا تلاوت ہے۔ویسے ہی دو ہونٹوں کا ملنا۔چُپ بھی ہے۔۔۔اور محبت کا لمس بھی۔

بولی۔

مجھے ٹھیک سے بتاؤ لمس کیا ہے ہر چیز کا لمس ہوتا؟

میں نے کہاں

لمس بتانے کی چیز نہیں۔ عمل۔۔ تھیوری سے سمجھ نہیں آتے۔۔ہاں لمس ہر چیز کا ہے۔

آواز کا۔۔جو روح کی تاروں کو نرمی سے چھو جائے۔۔ کہانی کا۔

جو قاری کو ذہن میں اتر جائے۔

ہر شے مختلف طلسم کے ساتھ ایک انوکھا لمس رکھتی ہے۔

چُپ کا بھی بڑا عجیب لمس ہے۔۔یہ چھوتی نہیں۔۔ کبھی کبھار روح کو ڈسنے لگتی ہے۔

بولی۔

افوہ۔۔تم آج ہر بات میں "چُپ" کیوں لے آتے۔

میں بولا

اس لئے کہ۔ میں آج چُپ رہنا چاہتا ہوں

بولی۔

ٹھیک ہے میں چلتی ہوں۔

میں نے کہا

ٹھیک ہے تم جاؤ۔۔پر جان رکھو۔۔چُپ۔۔۔ کبھی خاموش نہیں ہوتی وہ ہمیشہ کچھ نہ۔کچھ کہتی ہے۔۔بس روح کے کان لگا کر اسے سننا ہوتا۔۔ سمجھنا ہوتا۔۔۔جان رکھو۔۔چُپ گونگی کبھی نہیں ہوتی۔۔!!

☆☆☆☆☆

سرخ گلاب

اس نے بوڑھے دوکاندار سے سرخ گلاب لئے اور بنا کچھ کہے ہزار کا نوٹ اسے پکڑا کر آگے نکل گیا۔

پھولوں کی دوکانوں پر بھلا کا رش تھا۔

سڑک پر کافی چہل پہل تھی مختلف گاڑیاں اور بائیک پھولوں کی دوکانوں کے پاس رکتے اور پھول لیکر عجلت میں آگے نکل جاتے۔

شام ڈھلنے سے کچھ پہلے کا وقت تھا پرندے تھکے ہارے اپنی گھونسلوں کی تلاش میں اڑ رہے تھے اور ہوٹلوں کی چکا چوند روشنیوں کا سیلاب سڑک کی دوسری جانب موجود کچی بستیوں پر تیرتی غربت کی تاریکی کو گھورے جا رہا تھا۔

یہ علاقہ عجیب تھا۔ محض چند قدم کے بعد ہی کچے گھروں کا سلسلہ شروع ہو جاتا جو آگے جا کر ایک گندے نالے پر ختم ہو جاتا۔

پہلے روشن بلند و بالا عمارتیں آتیں اور پھر مٹی کے گھر اور پھر گہرا گندہ نالہ جو شہر کا سارا گند اپنے اندر سمیٹے چپ چاپ تعفن پھیلاتا ہوا آگے جا کر کہیں گم ہو جاتا۔

وہ سڑک پر موجود ایک لکڑی کے بنچ پر جا بیٹھا اور اپنے ارد گرد دیکھنے لگا۔

اس کے سامنے سے ایک بنی سنوری لڑکی گزری جس نے انتہائی تیز پرفیوم لگا رکھی تھی۔

کئی آوارہ نظریں اس کے بدن کے نشیب و فراز میں الجھیں

اور کئی مکروخیالات دلوں میں رینگنے لگے

اس نے سر جھٹکا۔

نسوانی حسن کا بت مغرب نے تراش کر ٹھیک چوراہے میں نصب کر دیا ہے۔

ایک بھولی بسری آواز اس کے کانوں میں بولی۔

وہ ماضی میں جا پہنچا۔

تم نے یہ لڑکی دیکھی اسد؟

وہ اس سے پوچھ رہی تھی؟۔

ان کے سامنے سے ایک سجی سنواری لڑکی گزری تب اس نے پوچھا۔

ہاں دیکھی۔

اس نے سر ہلایا۔

پتا ہے پیارے نبی ﷺ کیا کہتے ہیں اس بارے میں؟

اس نے بیک مرر میں دیکھا۔

دو شفاف آنکھیں اس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

"اجنبی مردوں میں ناز و ادا سے چلنے والی عورت ایسی ہے جیسے روز قیامت کی تاریکی جس میں نور نہ ہو گا"

وہ اسے بتا رہی تھی

ہاں جانتا ہوں۔

اس نے محبت سے اپنی شریک حیات کو دیکھا۔

کوئی گاڑی زن سے اس کے پاس سے گزری تو وہ چونکا۔

وہ اسی بنچ پر تنہا بیٹھا تھا۔

ایک مسکراہٹ اس کے لبوں پر روشن ہوئی۔

وہ اٹھا اور چند قدم چل کر وہ اپنی گاڑی میں آن بیٹھا۔

حسب معمول اس نے بیک مرر میں دیکھا۔

پچھلی سیٹ خالی تھی۔

اس نے ایک طویل سانس کھینچا اور سرخ پھولوں کو دیکھا جو سائڈ والی سیٹ پر رکھے ہوئے تھے۔

اچانک اس کی نظر ایک لڑکی پر گئی۔ جو سیاہ برقعے میں پوری طرح چھپی ہوئی تھی کہ بمشکل اس کی آنکھیں نظر آ رہی تھیں۔

کالے رنگ میں اس کی نگاہیں الجھ سی گئیں اور ایک بار پھر وہ ماضی کی پگڈنڈی پر جا نکل

وہ اسے بتا رہی تھی،

تم جانتے ہو کعبتہ اللہ کتنا پرانا ہے اور اس کا کسویٰ (غلاف کعبہ) بھی اتنا ہی پرانا ہے۔ جو ہر وقت وہ اوڑھائے رہتا ہے۔

ایک دانش ور کہتا ہے کہ وہ ایک نقاب ہے جسے اٹھا کر ہم حقیقت دیکھ پاتے ہیں۔

جانتے ہو ایک عورت کعبے جتنی مقدس ہے اگر سمجھے تو۔

یہ جو کالا رنگ ہے اس میں بڑے راز ہیں بڑی پر اسرار mystery ہے۔ جب میں معاشرے میں دیکھتی ہوں کہ مردوں کے لئے سفید لباس اور عورتوں کے لئے کالا برقعہ یا عبایہ کافی زمانوں سے چلا آرہا ہے تو میں نور کو دیکھتی ہوں سفید لباس میں اور اور کالے برقعے کے اس پار ایک اور نور مجھے دکھائی دیتا ہے جو اوجھل ہوتا ہے لوگوں کی نگاہوں سے۔

یہ دور پاکیزگی کی علامت ہیں۔

قدیم زمانوں میں عورت برہنا تھی۔ اسلام نے اسے لباس اور برقعہ عطا کیا اور جو آج کہتے ہیں یہ دقیانوسیت ہے وہ پاگل ہیں۔

جانتے ہو یہ برقعہ ہی جدید دور میں عورت کی اعلیٰ پہچان ہے۔

اسے میں .absolute symbol of modernity کہتی ہوں اور دیکھتی ہوں۔۔ یہ جدید عورت کی علامت ہے۔

اور تم کتنے گندے ہو کیسے گھورا اسے۔

وہ ایسے کھل کر سامنے آئی تھی اسی کا قصور ہے پردہ کرتی نا

نہیں نہیں۔۔

وہ استاد کی طرح ٹھہرے سے انداز میں بولی۔

پردہ وہ تو کرتی پر بس اسی پر فرض نہیں ہے۔

اللہ نے پہلے مرد کو مخاطب کیا تھا اور کہا تھا

"مومن مردوں سے کہو کہ اپنی نظریں بچا کے رکھیں اور اپنی عصمت کی حفاظت کریں یہ زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے"

اچھا ٹھیک ھے استانی صاحبہ۔

اب گھر چلیں دیر ہو رہی ہے۔

وہ محبت سے اسے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

وہ اس کی زندگی میں روشنی کی طرح تھی جو اسے بھٹکنے نہیں دیتی تھی۔

ہاں کیوں نہیں۔۔

پر اس سے پہلے میں ایک گستاخی کرنا چاہوں گا۔

وہ اس کی طرف جھکا تو اس نے واپس دھکیلا۔

دیکھا سب باتیں ہی کرتے ہیں عمل کوئی نہیں ہے۔ شوہر کی نافرمانی کتنا بڑا گناہ ہے جانتی ہو نا۔

وہ مصنوعی ناراضگی سے بولا

اللہ اللہ

مجھے اللہ آپ کے حق میں نہ پکڑے میں آپ کی ہوں.

وہ خوف سے کانپ اٹھی تھی۔

وہ ہنسا پڑھا اور ایک ہاتھ سے اس کے سر پر چپت رسید کرتے ہوئے بولا

بخدا تم جیسی بیوی نصیب والوں کو ملتی ہے میں خوش بخت ہوں اور یہ محض ایک مذاق تھا۔

موبائل کی آواز اسے واپس کھینچ لائی تھی۔ سڑک پر لوگ کم ہو چکے تھے۔

اس نے گاڑی سٹارٹ کی اور سڑک پر نکل آیا

کچھ دور چلنے کے بعد وہ بغلی سڑک پر نکل آیا۔

موبائل پر دوسری مرتبہ کال آئی تو اس نے گاڑی سائڈ پر روک دی اور کال سننے لگا۔

کال سن کر اس نے موبائل پر دیکھا۔

چودہ فروری کی تاریخ اس پر روشن تھی۔

محبت سے انسان کی کیا کیا یادیں وابستہ ہوتی ہیں اور وہ محبت جو خدا کے حدود میں ہو اس سے زیادہ خوبصورت اور کیا چیز اس دنیا میں ہو سکتی ہے۔

وہ آج یادوں کے سفر پر چلا جا رہا تھا۔

آج ویلناٹن ڈے ہے کیا تم مجھے مل سکتی ہو؟

وہ کال پر اسے پوچھ رہا تھا۔

نہیں مل سکتی مجھے اجازت نہیں ہے۔

کس کی اجازت نہیں ہے؟

تم میرے نکاح میں ہو رخصتی ہونا رہتی ہے بس۔

اس کے جواب پر وہ حیران ہوا تھا۔

کیا تم چاہتے ہو کہ تمہاری بیوی تمہیں ملے اور دیکھنے والوں کو ھم میں اور دوسرے جوڑوں میں فرق دکھائی نہ دے؟

وہ پوچھ رہی تھی۔

کیا تم مجھے اس حال میں نہیں ملنا چاہتے ہو کہ میں تم سے راضی ہوں اور تم مجھ سے اور اللہ ہم دونوں سے ؟

مانا ہمارا نکاح ہو چکا ہے پر پھر بھی میں چاہتی ہوں ھم نہ ملیں۔

میتمہاری امانت ہوں کیا تم ایک ایسے چشمے کی طرف نہیں آنا چاہتے جو اس سے پہلے کسی اور نے تو کیا تم نے خود نہ دیکھا ہو؟

کس کے پانی میں شفافیت ہو جو ہمیشہ کے لئے بس تمہیں سیراب کرتا رہے۔

قسم ھے خدا کی کیا تم چاہتے ہو آج گھر سے نکل کر میں ان صفحوں میں شامل ہو جاؤں جو گمراہ ہیں۔۔ کیا میں اس ہجوم کو بڑھا دوں جس پر اللہ کی پھٹکار برس رہی ہے ؟۔

میری خواہش ہے کہ تم مجھے یہاں نہیں جنت میں اس کے کسی باغ کے سرخ گلاب کا تحفہ دو جس کے پھولوں سے محبت اور اللہ کی رضا کی خوشبو پھوٹ رہی ہو جو مرجھائیں نہ.

وہ توجہ سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔

ٹھیک ہے

میں تو ویسے ہی کہہ رہا تھا۔

وہ وہ موبائل کو گھورے جا رہا تھا

اچانک اسے وقت گزرنے کا احساس ہوا اور اس نے دوبارہ گاڑی سٹارٹ کی اور ڈرائیو کرنے لگا۔

کچھ دیر بعد وہ مٹی کے ایک ڈھیر پر لگتا تھا۔

ہاتھوں میں سرخ گلابوں کا گلدستہ لئے۔

اس نے قبر پر گلدستہ رکھا اور پھر ہاتھ اٹھائے۔

خدا وند۔

اس مٹی کے ڈھیر میں وہ لڑکی سو رہی جس نے مجھے تم سے ملوایا اور مجھے زندگی کی ان خوشیوں سے نوازا جو میں نے کبھی نہیں دیکھیں۔ اس نے تیرے ایک بندے کو تم سے ملوایا۔

آج محبت کا دن ہے پر میں جانتا ہوں اس دن کو یہ برا سمجھتی تھی پر میں ہمیشہ اس کے لئے گلاب لیکر جاتا تھا۔

آج یہ مجھے روشن پیشانی کے ساتھ میرے گھر کے دروزے پر نہیں ملی

پر اس نے مجھے ایسا بنا دیا کہ میں اسے جنت کے دروازے پر ملوں گا۔

اسے بخش اور اسے اپنا محبوب کر دے کہ اس نے تیرے اس بندے کو تیرے راستے کی لذتوں سے آشنا کر دیا

اس نے میری پیشانی کو سجدوں سے منور کیا اور میری زندگی کو تیرے حکموں کے تابع کر دیا۔

یہ اس حالت میں مجھ سے بچھڑی کہ اس کی آواز میرے علاوہ کسی نے نہیں سنی

اے خدا تو اسے بخش دے۔

وہ نجانے کتنی دیر وہاں کھڑا نم آنکھوں کے ساتھ دعا مانگتا رہا اور پھر واپس لوٹ آیا

محبت دور کسی جگہ کھڑی اسے دیکھ کر مسکرائی اور بولی۔

محبت وہی ہے جو تمہیں خدا کے قریب کر دے جو تمہیں ہمیشہ کے لئے آگ سے بچانے کا سامان کر دے

وہ گاڑی میں بیٹھا گھر کو جا رہا تھا

اور اس کے کانوں میں اس کے آخری جملے گونج رہے تھے۔

تم گواہ رہنا کہ میں نے محبت کا حق ادا کیا اور آج میں تم سے اس حال میں بچھڑ رہی ہوں کہ تم میرے محبوب شوہر ہو اور اس سے بھی زیادہ خوبصورت بات یہ ہے کہ تم اللہ کے محبوب ہو۔

☆☆☆☆☆

بڑی کہانی

تم مجھ سے کب محبت ہوئی؟

اس نے عجیب سوال پوچھ لیا تھا

اور وہ اس کے سوال پر کہیں کھو گیا۔

کیا ہوا تمہارے پاس جواب نہیں جو اتنا سوچ رہے۔

اس کی آواز سن کر وہ سوچ سے چونکا اور پھر مسکرا کر اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔

تمہیں دیکھنے اور تم سے ملنے سے بہت پہلے میں نے تم سے محبت کر لی تھی۔

ماضی کی پگڈنڈیوں پر اکثر تم نے میرے ساتھ سفر کیا ہے اور اکثر اوقات میرے سائے کے ساتھ تمہارا سایہ زمین پر چلتا رہا ہے۔ تم مجسم ہونے سے پہلے میرے خیالات کے پانیوں میں کسی جل پری کی طرح رہتی تھی۔

اب یہ سوال کتنا مشکل ہے کہ میں بتاؤں کہ میں نے تم سے محبت کب کی؟

وہ کھکھلا کر ہنسی تھی۔

قبر پر سر جھکائے کھڑے اس بے چہرہ انسان نے آنکھیں کھول لیں۔

اور ہولے سے بولا۔

آج جب تم نہیں ہو تب بھی میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ پہلے سے زیادہ کرتا ہوں

☆☆☆☆☆

پلکوں پر اٹکا ہوا آنسو

بات اتنی سی تھی کہ وہ بدل گئی تھی جیسے سب بدل جاتے ہیں۔ تغیر ہم سب کی خمیر میں ہے۔

اس نے کہا تو تھا وہ بدل جائے گی پر تب میں نے یقین نہیں کیا تھا۔

اس نے آنکھوں پر اٹکا ہوا آنسو انگلی کے پورے سے ہوا میں اچھالا تو سامنے بیٹھی سرمئی شام کے بادلوں جیسی لڑکی نے اپنی سیاہی بھری کالی آنکھوں میں اسے سرمے کی طرح بھر لیا۔

پھر کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولی۔

تم اسے بھول کیوں نہیں جاتے ہو؟

وہ مجھے بھولنے نہیں دیتی ہے اس کی یادیں میرے دامن سے چمٹ جاتی ہیں۔ مجھے لگتا ہے وہ اب بھی اسی کھڑکی میں کھڑی ہے جس پر پھولوں کی بیل نے اپنے پر پھیلا رکھے تھے جو میں نے اسے دیئے تھے۔ سرخ چھوٹے چھوٹے گلاب جیسے پھول۔

ویسے بھی میں نے اس کی محبت کو بلا کسی ہچکچاہٹ کے اپنی رگوں میں اتار لیا تھا جب اس نے میری آنکھوں میں کچھ خواب پروتے ہوئے مجھے یقین دلایا تھا کہ وہ مجھ سے محبت کرتی ہے۔

اس نے اپنی آنکھوں کو یوں جھپکا جیسے وہ خواب کسی تنکے کی طرح اس کی آنکھوں میں اٹک گئے ہوں۔

تمہیں لگتا ہے وہ اب بھی تم سے محبت کرتی جب کے وہ نہیں کرتی ہے۔

لڑکی کے لبوں پر ایک استہزایہ مسکراہٹ نے آ آنکھیں کھولیں۔

کیا محبت محض لئے چھوڑ دی جا سکتی کہ وہ آپ کرتے دوسرا نہیں؟

میں اسے بھول نہیں پاتا کیوں کے میں محبت کرتا۔ یک طرفہ محبت تو سب سے زیادہ پائدار ہوتی ہے کوئی اسے توڑ نہیں سکتا۔

اس کے لہجے میں یقین کا سورج چمک رہا تھا۔

لڑکی نے بے چینی سے پہلو بدلا اور پھر لڑکے کی صحرا نما آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولی۔

کیا تمہیں یقین ہے وہ لوٹ آئے گی؟

جب کے تم جانتے ایسا ممکن نہیں؟

مجھے پتا ہے وہ کبھی لوٹ نہیں سکتی ہے۔،

بس یہی ایک درد ہے جو سانس بھی پورا لینے نہیں دیتا، اندر بہت اندر لہر اٹھتی اذیت بھری۔

جسم کا ریشہ ریشہ جیسے کانٹوں پر گھسیٹا جا رہا ہو۔

لڑکے کی آنکھوں میں نمی نے پھر پاؤں رکھا اور وہ دور بچوں کے انتظار میں رہتے جھولوں کو دیکھنے لگا۔

لڑکی نے اس کی آنکھوں میں نمی دیکھی تو خاموشی سے ٹشو اس کی طرف بڑھا دیا۔

اس نے ایک نظر ٹشو کو دیکھا اور پھر اس کے آنسوؤں سے ایک مسکراہٹ سی ٹپکی۔

مجھے اس کی ضرورت نہیں،

وہ یادوں کے پلو سے میری آنکھیں پونچھ لیتی ہے۔

مجھے یاد ہے جب درخت تلے میں اس کی گود میں سر رکھتا تھا تو وہ بات کرنے کے لئے میرے چہرے پر جھکتی تھی ایسے میں اکثر اس کی بال میری آنکھوں میں یوں چلے جاتے جیسے وہ میری آنکھوں میں چلی آئی تھی۔

تب میری آنکھیں فرت مسرت سے رو دیتی تھیں اور وہ پاگل سمجھتی بال چبھے ہیں۔ وہ دوپٹے کو گول کرتی اپنے منہ سے لگا کر سانسوں سے گرم کرتی اور پھر میری آنکھ پر رکھ دیتی۔۔وہ گرمی آج بھی میری آنکھوں میں بھاپ بن کر پھیلتی ہے تو یہ پانی نکل آتا ہے۔

گزرے ہوئے خوبصورت لمحوں کو سوچتے ہوئے اس کے چہرے پر ملن سے بھری ہوئی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

لڑکی نے اسے مسکراتے ہوئے دیکھا تو خود بھی مسکرا دی۔

شام ڈھلنے لگی تھی اور پرندے پارک کے درختوں پر چہک رہے تھے۔

اب میں چلتی ہوں۔

وہ جانے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی اور ہمیشہ کی طرح منتظر نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی کہ شاید وہ کہے کہ کچھ دیر کے لئے اور رک جاؤ۔

پر وہ ہمیشہ کی طرح خاموش تھا۔

اللہ کی امان میں۔

وہ مدھم سی آواز میں بولا۔

جسے وہ مشکل سے سن سکی تھی۔

اللہ کی امان میں۔

وہ بھی زیرلب بولی اور پارک کے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

وہ خاموشی سے اسے جاتا دیکھتا رہا اور سوچتا رہا۔

میں محبت کی پلکوں پر اٹکا ہوا آنسو ہوں جب تک گروں گا نہیں کوئی دوسرا آنسو پیدا نہیں ہو گا۔

اور وہ جاتے جاتے سوچ رہی تھی۔

میں کبھی نا کبھی محبت کی آنکھوں سے ادا ہو جاؤں گیں وہ کبھی نا کبھی تو مجھے اپنی آنکھوں میں جگہ دے گا۔

وہ دنوں ہی محبت پر یقین رکھتے تھے

پر نہیں جانتے تھے کہ اکثر محبت بے یقین کر دیتی ہے۔۔

☆☆☆☆☆

خالی دیوار

سورج دور پہاڑیو پر سر رکھے اونگھنے لگا اور سائے طویل ہو گئے تو وہ اسے ملنے باغ کی اسی گوشے میں پہنچی جہاں خشک پھول بہار کی یاد میں ایک دوسرے سے گفتگو کرتے ہوئے کبھی کبھی یکا یک چونک کر ان کی طرف یوں دیکھنے لگتے جیسے ان کی باتوں میں آنے والی بہار کی آہٹ کو سن رہے ہوں۔

وہ محبت کی چھائوں میں دور باغ کی دیوار کے اوپر بیٹھے ہوئے کبوتروں کے اس جوڑے کو دیکھ رہا تھا جو ہر شام وہاں بیٹھ کر عہد پیمان کرتا اور تاریکی گہری ہونے پر اڑ جاتا۔

وہ خاموشی سے اس کے ساتھ اُس کے پاس آ بیٹھی اور اس کی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھے لگی۔

یہ جلد اڑ جائیں گے اور دیور خالی رہ جائے گی۔

وہ اس کا ہونا محسوس کر بڑبڑایا۔

ہاں اور اس کی جگہ کوئی اور پرندوں کا جوڑا آ بیٹھے گا۔ وہ بھی بڑابڑائی تھی۔

ہوں۔۔ اس نے ہنکارہ بھرا۔

آخر کب تک دیوار خالی رہے گی۔۔؟؟ کچھ پل کی خاموشی کے بعد وہ دوبارہ بولی تھی۔

دوبوار گرنے تک شاید یا گرنے کے بعد دوبارہ کوئی دیوار اٹھنے تک۔ وہ پر سوچ نظروں سے دیوار کو دیکھتے ہوئے بولا۔

وہ کچھ نہیں بولی بس دیوار کو اور اُسے دیکھنے لگی۔

دنوں میں بہت کچھ یکساں تھا۔ وہ بھی دیورار کی طرح تھا جس سے وہ مہینوں سے سر پھوڑ رہی تھی۔

آخر کب تک تم گرد کے تعاقب میں چلوگے امان۔۔؟؟

وہ چونکا اور اسے دیکھنے لگا۔

کبھی کبھی قافلوں کی ہم رکابی میسر کہاں آتی ہے۔ بس گرد کے تعاقب میں چلتے رہنا ہوتا ہے۔

اس کی آنکھوں میں وقت کی گرد اڑنے لگی تو اس نے اپنی نگاہیں وہاں سے یوں ہٹائیں جیسے اُسے اندیشہ ہو کہ کوئی بھول بسرا یادوں کا زرا اُس کی آنکھوں میں نہ چلا جائے پھر کلائیوں پر چھنکتی چوڑیوں پر بے معنی انداز میں ہاتھ پھیرنے لگی۔

چُپ کیوں ہو گئی۔۔؟؟ اس نے استفسار کیا۔

شاید کہنے کو کچھ نہیں یا بہت کچھ کہنا ہے لیکن تم سننا نہیں چاہتے۔ میں اسی کشمکش میں ہوں کہ کہوں تو کیا کہوں اور اگر کہا تو تم

کیا سنو گے۔ تم میری باتوں کو کسی ماہر ایڈیٹر کی طرح ایڈیٹ کر دیتے ہو۔

انسان زندگی میں اکثر دو وجہ سے چُپ ہوتا ہے۔ ایک جب اسے بہت کچھ کہنا ہوتا ہے یا پھر جب اُس کے پاس کہنے کے لئے کچھ نہیں ہوتا ہے۔

کچھ باتیں سماعتیں تو سن لیتی ہیں لیکن دل ان آوازوں کو کبھی نہیں سن پاتا۔ میرے کان تمہاری باتوں کو سنتے ہیں لیکن میرا دل بہرا ہو چکا ہے۔

وہ کہہ کر دوبارہ دیوار کو دیکھنے لگا تھا۔

مجھے تم سے شکایت ہے۔۔ کوئی ایک نہیں ڈھیر ساری ہیں۔

اچھا۔۔ وہیں نگاہیں جمائے ہوئے وہ بس اتنا ہی کہہ سکا تھا۔

اُس کی آنکھوں کے گوشے تھوڑے نم ہوئے تھے۔

لیکن جب وہ بولی تو اس کی آواز خشک تھی۔

تمہاری بے گانگی کتنی تکلیف دیتی ہے۔ کبھی کبھی مجھے لگتا ہے جیسے میں کسی بت سے مخاطب ہوں۔

اس نے سر گھما کر ساتھ بیٹھی لڑکی کو دیکھا۔ جو سر جھکائے ہوئے اپنی کلائی پر رنگ برنگی چوڑیوں کو آگے پیچھے کر رہی تھی۔

آنسو چھپانا بری بات ہے۔

انسان کی اکثر کیفیتوں کو جب اظہار کر لئے لفظ نہیں ملتے تو آنکھوں کے آنسو ان کی ترجمانی کرتے ہیں۔

وہ ہمیشہ کی طرح پلکوں کے کے پیچھے قید آنسوئوں کا راز جان گیا تھا۔ اور وہ ہمیشہ کی طرح یہ سوچنے لگی تھی اگر وہ ان گرے ان ٹپکے آنسو دیکھ سکتا ہے تو پھر کیسے وہ اس کی دل کی بات نہیں جان سکتا ہے۔

تمہارے بہرے دل پر ان کی آواز بھی کہاں اثر کرتی ہے۔

وہ ہولے سے بولی تو وہ مسکرا دیا۔

جو چیزیں آواز نہیں رکھتی ہیں وہ جب بولتی ہیں تو آواز کی شکست اور اس کا بے معنی ہونا ثابت ہو جاتا۔ آوازیں خالی ہوتی ہیں اور ہمیشہ خالی ہی رہیں گی۔ معنی اور مفہوم تو خاموش آوازوں میں پنہا ہے۔ یا وہ آوازیں جن کے پیچھے سچے جذبات ہوں۔

پر کچھ خاموشیاں سن کر بھی انسان جواب میں اس لئے کچھ نہیں کہہ سکتا ہے کہ خاموشی ٹوٹ جائے گی۔

خاموشی ٹوٹنے کے بعد کس قدر گہرا سناٹا طاری ہوتا ہے تم کہاں جانتی ہو۔

مجھے خاموشی توٹنے کی آواز کبھی پسند نہیں رہی ہے اور میں نہیں چاہتا کہ کبھی خاموشی یوں ٹوٹے کے اس کے بعد کا سناٹا

رگوں میں ٹھہر کر جان لے ڈالے۔

اس لئے تم بس لبوں سے کہا کرو اور سماعتوں سے سنا کرو۔

وہ خاموش ہو گیا تو جواباً وہ بولی۔

تمہارا یہ فلسفہ مجھے سمجھ نہیں آتا ہے۔ تمہاری باتوں کو سمجھنا کتنا مشکل ہے۔ میں تو تمہیں آج تک سمجھ نہیں پائی کجا تمہاری باتوں کو سمجھنے لگوں۔

میں بس اتنا جانتی ہو مجھے دنیا میں جن چند چیزوں سے زیادہ نفرت ہے ان میں سے ایک تمہاری خاموشی ہے۔ اور پھر تمہاری اداسی۔

آخر کیا انسان کی زندگی بس ایک انسان پر ختم ہو جاتی ہے۔ کیا یہ انصاف ہے کہ ہم دوسروں کو سزاء دیں جو کچھ ہمارے ساتھ ہوا اس کی۔

یہ جانتے ہوئے بھی ان کا قصور کوئی نہیں ہے۔

رات آنے کو ہے دن سونے کی تیاری کر رہا ہے۔ ہم یہ باتیں کل پر اٹھار کھتے ہیں۔

وہ ہمیشہ کی طرح دامن بچانے لگا تھا۔

اس نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا لیکن پھر خاموش ہو گئی۔

آخر وہ کس سے کہتی۔ سامنے تو سایہ تھا جو سنتا تو تھا لیکن آدھی ادھوری باتیں۔

وہ اس کی خاموشی محسوس کر اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

میں خالی دیوار ہوں اور تم بضد ہو کہ نہیں مجھ پر کوئی تصویر لگی ہوئی ہے جب کہ میں جانتا ہوں ایسا نہیں ہے۔

وہ اس کی بات کو سن کر چونکی اور پھر بولی۔

ایک دن اس دیوار پر میں اپنی تصویر لگا کر ہی چھوڑوں گی۔

پر ایک بات تم شاید نہیں جانتی ہو۔ وہ اداسی سے بولا تھا۔

کون سی بات؟

یہی بات کہ اگر تم اپنی تصویر وہاں لگانے میں کامیاب بھی ہو گئی تو دیوار حیات پر لگی پرانی تصویر کی جگہ خالی ہی رہے گی۔

وہ مسکرائی۔

اور اسے دیکھا۔

یہ تو وقت بتائے گا۔

وہ کچھ نہیں بولا بس اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سوچنے لگا۔

جس دیوار پر وہ اپنی تصویر لگانے کی بات کر رہی تھی اس دیوار پر تو کوئی جگہ ایسی تھی ہی نہیں جو خالی ہو۔

☆☆☆☆☆

رنگ

اس لڑکی سے ملے اسے کچھ زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا۔

وہ کالج میں ایک ساتھ پڑھتے تھے پھر جدا ہوئے اور پھر وہ اسے اس وقت ملی جب وہ اندر تک ٹوٹ چکا تھا۔

وہ اس کی باتیں مکمل سنتا تھا اور سمجھتا بھی تھا لیکن وہ ڈرتا خود سے، محبت سے اور ہر اس چیز سے جس سے ملکر بچھڑ جانا لکھ دیا گیا ہو۔

وہ باغ کی اسی گوشے میں بیٹھا تھا جب وہ دور سے اسے اپنی طرف آتی ہوئی دکھائی۔

باغ کسی بیوہ کی مانگ کی طرح ویران تھا۔ بہار اپنا تسلط جما چکی تھی اور درخت اپنی شاخوں سے پتے گرائے جا رہے تھے۔

کبوتروں کا جوڑا آج وہاں نہیں بیٹھا تھا اس کی نظر کہی بار غیر ارادی طور پر دیوار کی طرف گئی تھی۔

تمھیں بس یہی جگہ ہی کیوں پسند ہے۔؟؟

بیگ کو بینچ پر پھینکتے ہوئے وہ خود خشک پتوں پر بیٹھ چکی تھی۔

کیوں کے میں بھی درخت سے گرتا ہوا پتا ہوں۔ وہ ہولے سے مسکراتے ہوئے بولا تو اس کا منہ بن گیا۔

چھوڑ دو یہ اداسی اور بھول جاؤ جو کچھ ہوا میری طرف دیکھو۔

میری آنکھوں سے دنیا کو دیکھو تو وہ بہت بُوخوبصورت دکھائی دے گی۔

اس کی بات سن کر اس نے اس کی چمکتی آنکھوں کو دیکھا اور بولا۔

مجھے اب اپنی آنکھوں سے دیکھنے کی عادت ہو چکی ہے۔ کہ لوگ جلد ہی اپنی آنکھیں واپس مانگ لیتے ہیں۔

ہر انسان ایک جیسا نہیں ہوتا ہے تم ایک بار مجھے اپنی زندگی میں شامل کرو میں تمہاری زندگی کو رنگوں سے بھر دوں گی۔

وہ خاموش رہا تھا، اور اپنی زندگی کے بے رنگ کینوس کو دیکھ رہا تھا۔

زندگی رکنے کا نام نہیں ہے ایک موقع کسی کو دینا چاہیئے ہے۔ دماغ نے دلیل دی تھی۔

اس نے ایک نظر ساتھ بیٹھی لڑکی کو دیکھا۔

تم رنگ ہو۔۔؟؟

اس نے پوچھا تھا۔

ہاں میں رنگ ہوں۔ زندگی کا۔ محبت کا، خدمت اور وفا کا۔

اس کے جواب پر وہ پہلی بار دل سے مسکرایا اور بولا۔

ٹھیک ہے۔

اگر تم رنگ ہو آئو مجھے بھر دو۔

لڑکی نے خوشی اور بے یقینی بھری کیفیت سے اُسے دیکھا اور پھر ہولے سے بولی۔

آج سے تمہاری زندگی میں ہزار رنگ ہوں گے۔

اور وہ دور ڈوبتے ہوئے سورج کو دیکھتے ہوئے بولا۔

خدا کرے ایسا ہی ہو۔

لڑکی نے اس کے ہاتھوں پر ہاتھ رکھا اور یقین سے بولی۔

آج سے ایسا ہی ہو گا۔

اس نے ایک نظر لڑکی کو دیکھا۔

اور دوسرے لمحے اسے لگا جیسے وہ آہستہ آہستہ اُس کی زندگی تصویر میں بھرتی جا رہی ہے۔

☆☆☆☆☆

آخری کہانی

حبس آلود دوپہر میں جب ریلوے سٹیشن کی تنہاء اداسی بھری چھاؤں میں اس نے قدم رکھا تو اس کے کچھ دیر بعد ہی ایک پہاڑی چڑیا گرمی سے نڈھال اس کے قدموں میں آن گری۔

ٹوٹے ہوئے لکڑی کے بینچ پر بیٹھتے ہوئے اس نے چڑیا کی پیاس سے نڈھال سانسوں میں موت کی ہلکی سی آمیزش کو شدت سے محسوس کیا اور کسی انجانے خوف کے پیش نظر اس نے پانی کے لئے نظروں کو چاروں طرف پھیلا دیا۔۔

دور ٹوٹے ہوئے مٹی کے ایک گھڑے نے اسے اپنی طرف دیکھتا پا کر آنکھیں چرا لیں تھیں۔

وہ چڑیا کو بینچ کی سطح پر کسی مرے ہوئے لمحے کی طرح چھوڑ کر بھاگتا ہوا وہاں گیا۔ لیکن اس میں پانی کی جگہ تنہائی بھری ہوئی تھی۔

اس نے اسٹیشن ماسٹر کی کے کمرے کی طرف دوڑ لگا دی اور جب وہ پانی لیکر چڑیا کے پاس پہنچا اس کی سانسوں کی ڈور پیاس کی نوکیلی تیز دھار سے کٹ چکی تھی۔

اسے لگا جیسے چڑیا کی پیاس بھری ہوئی آنکھیں اس کے ہاتھ میں موجود میلے گلاس میں بیٹھے ہوئے پانی پر موکوز تھیں۔

یہ کوئی نیک شگون ہرگز نہیں تھا۔

اس نے چڑیا کے مردہ وجود کو مٹی کی نظر کیا اور جب زمین بالکل ہموار ہو گئی تو اچانک ہی آسمان نے اس ناگہانی موت پر نوحہ کہا اور بارش نے ٹین کی چھت پر الوداعی دھن کو چھیڑا۔

فضا کسی جوان بیوہ کی آنسوؤں کی طرح گیلی اور سوگوار یادوں کی ہجوم سے نم ہو گئی۔

اس نے اپنے تھکے ہوئے وجود کو بنچ پر گرا دیا۔

چڑیا کی موت شاید آنے والے کسی بڑی جدائی بھرے حادثے کی پیشن گوئی تھی۔

اس نے مردہ چڑیا کی بجھتی ہوئی آنکھوں میں اپنی موت کا عکس لہراتے ہوئے واضح طور پر دیکھا تھا۔

رائگاں سفر کی مشقت اور بے حسی کے منہ زور تھپڑوں سے نڈھال اس کا وجود اس بنچ کی طرح جگہ جگہ سے ٹوٹا ہوا تھا جس پر شاید برسوں بعد وہ آکر بیٹھا تھا۔

جب مٹی کی خوشبو میں اداسی کی خوشبو شامل ہو کر ریلوے سٹیشن کی تنہائی بھری فضا میں پھیل چکی تو بادل اپنے آنسو پوچھتے

ہوئے اس بچے کی طرح سو چکے تھے جسے من پسند کھلونا نہ دیا گیا ہو۔۔ آسمان کی گالوں پر اسی بچے کی طرح کچھ آخری بوندیں لڑکھڑاتی ہوئی تیرے جارہی تھیں۔

دھوپ نے اسٹیشن کے نیم تاریک ماحول میں قدم رکھا تو اس کی نظریں ریلوے لائن پر دور تک دیکھتی ہوئیں اداس تھیں۔

اسے اندازہ ہوا کہ شہر میں ہونے والے حادثوں میں کچھ بڑے حادثے کبھی لوگوں کی نظر میں نہیں آتے۔ جیسے اس چڑیا کی موت یا گاڑی کے نیچے آکر مرنے والے کسی بلونگڑے کی موت۔

کوئی بھی ٹی وی چینل ایسے واقعات کی کبھی کورج نہیں کرتا ہے۔۔ اسے دکھ ہوا کہ کوئی کہانیاں لکھنے والا بھی ان اموات پر کبھی کوئی کہانی نہیں لکھتا ہے۔

اُس نے اس جگہ کو دیکھا جہاں چڑیا دفن تھی۔۔

کون کہے گا کہ یہاں پیاس سے نڈھال ایک چڑیا دفن ہے۔۔ جس کی جگر گوشے گھونسلے میں بیٹھے اس کی راہ دیکھ رہے ہوں گے۔۔ اس چشم تصور میں اس چڑیا کے بچوں کو دیکھا۔۔ جن کی آنکھوں میں انتظار پھیلا ہوا تھا۔

کاش میں ان کو بتا سکتا کہ وہ انتظار نہ کریں۔

اس نے دل میں تاسف سے سوچا۔

وہ اس اسٹیشن کا اکلوتا مسافر تھا۔

یہ دور افتادہ علاقے میں واقع ایک ٹوٹا ہوا ریلوے ٹریک تھا۔

جہاں ریل محض اس لئے رکتی تھی کہ ریل بان یہاں کے بوڑھے ریلوے ماسٹر کا بھتیجا تھا۔

اس نے وقت گزری کے لئے ریلوے اسٹیشن کا مشاہدہ کیا۔

ایک ٹوٹا ہوا پانی کا گھڑا، ایک لیٹر بکس جس میں ایک کوے نے اپنے گھر بنایا ہوا تھا۔۔ اور ایک لکڑی کا بکسہ جو تابوت کی طرح وہاں پڑا ہوا تھا۔

انگریزوں کی دور کی پرانی گھڑی جو اسٹیشن ماسٹر کے کمرے کی دیوار پر کسی ادھورے وعدے کی طرح ایک جگہ رکی ہوئی تھی۔

اس کے علاوہ دکھ بھرا بوڑھا انتظار جو نجانے کتنی صدیوں سے وہاں بیٹھا ہوا ریل گاڑی کی انتظار بھری آواز کو سن رہا تھا۔

اور ایک وہ۔۔ جو کسی پرانے شکستہ وائلن کی ٹوٹی تاروں میں سانس لیتی کسی دھن کی آواز جیسا تھا۔

آوازیں جب مجسم ہو جائیں تو ان کے اندر کا کہرب کس قدر واضح ہو جاتا ہے۔

جب وہ یہ سب دیکھ رہا تھا تو اچانک ہی پٹڑیاں کسی مریض کی طرح کراہنے لگیں۔

جدائی کی گہری نیند میں سویا ہوا ریلوے سٹیشن یک لخت ہی بیدار ہوا تھا۔

ریل کی آواز ریل سے آگے دوڑتی ہوئی وہاں داخل ہوئی تھی۔

اس نے طویل سانس اپنے اندر کھینچا۔

جدائی کا وقت پرانی گھڑی سے کود کر باہر آ گیا تھا۔

اور کچھ ہی دیر بعد وہ اس ریلوے اسٹیشن پر تھکا دینے والے بوڑھے انتظار کی آنکھوں میں تحلیل ہو چکا تھا۔

اور پیچھے چڑیا کی آخری سانسیں اور اس کا وہ آخری خط پڑا رہ گیا تھا جو اُس نے کسی کے لئے محبت سے لکھا تھا۔

انجام میں۔۔۔بس جدائی بچی تھی۔۔۔ہمیشہ ہمیشہ کی۔۔۔!!

☆☆☆☆☆☆☆☆

اس کتاب پر آپکی قیمتی رائے کا انتظار رہے گا۔۔